بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ○

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القُلوب

۱۳۱۹ھ

از

امام المفسرین حافظ کلام مبین ابوالوفا حضرت سید الشیوخ مولانا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا و مولانا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم **جلد اول** -1

[۴۹] حجرات [۵۲] طور

تفسیر قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)
منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصر الحق کی مرتبہ ہے
اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر
پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدرآباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ وغیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔کلامِ خلیقؔ کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقام ولادت ووفات : حیدرآباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اوران کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔سورہ حجرات تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲ سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱ پہلا حصہ جلد اوّل
۱۷۔سورہ بنی اسرائیل
تا ۱۹۔سورہ کہف
۱ تا ۴۳۴

۲ پہلا حصہ جلد دوم
۲۰۔سورہ مریم
تا ۲۲ سورہ حج
۴۳۵ تا ۷۷۲

۳ پہلا حصہ جلد سوم
۲۳۔سورہ مؤمنون
تا ۲۷۔سورہ نمل
۷۷۳ تا ۱۲۰۸

۴ پہلا حصہ جلد چہارم
۲۸۔سورہ قصص
تا ۳۵۔سورہ فاطر
۱۲۰۹ تا ۱۶۲۲

۵ پہلا حصہ جلد پنجم
۳۶۔سورہ یٰس
تا ۴۸۔سورہ فتح
۱۶۲۳ تا ۲۰۲۵

۶ دوسرا حصہ جلد اول
۴۹۔سورہ حجرات
تا ۵۳۔سورہ نجم
۱ تا ۷۰۱

۷ دوسرا حصہ جلد دوم
۵۴۔سورہ قمر
تا ۵۷۔سورہ حدید
۷۰۲ تا ۱۳۳۶

۸ دوسرا حصہ جلد سوم
۵۸۔سورہ مجادلہ
تا ۶۶۔سورہ تحریم
۱۳۳۷ تا ۱۹۱۱

۹ دوسرا حصہ جلد چہارم
۶۷۔سورہ ملک
تا ۷۷۔مرسلات
۱۹۱۲ تا ۲۶۱۸

۱۰ دوسرا حصہ جلد پنجم
۷۸۔سورہ نبا
تا ۹۲۔سورہ لیل
۲۱۱۹ تا ۳۲۲۸

۱۱ دوسرا حصہ جلد ششم
۹۳۔سورہ ضحیٰ
تا ۱۰۴۔سورہ ھمزہ
۲۶۱۹ تا ۳۷۰۴

۱۲ دوسرا حصہ جلد ہفتم
۱۰۵۔سورہ فیل
تا ۱۱۴۔سورہ ناس
۳۷۰۵ تا ۴۱۱۰

۱۳ تیسرا حصہ
۱۔سورہ فاتحہ تا
۲۔سورہ بقرہ [۳۶]
آیتیں ۱ تا ۴۱۶

اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ + سورہ فاتحہ + سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنہ ۱۳۱۹ھ

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی **تفسیر کشف القلوب**

کتاب :- حصہ .... دوم .... جلد .... اول -1

تفسیر سورۃ .... [۴۹] حجرات تا سورۃ .... [۵۲] طور

پارہ .... پارہ ....

تصنیف :-

(۱) حصہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از السید الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۳۳۰ھ)

(۲) حصہ دوم اور سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

(۳) حصہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لیئق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ھ - سنہ ۱۳۸۴ھ)

سال اشاعت :- حصہ اول - سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصہ دوم و حصہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (سنہ ۱۹۵۲ء تا سنہ ۱۹۶۴ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید علی حسینی علی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے

فہرست مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کر کے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہو سکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کر لی گئیں ہیں۔

نوٹ :۔ تفسیر قادری اور السید الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سے حاصل کی جا سکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر :19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدر آباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ النبی الکریم و علیٰ آلہٖ و اصحابہ اجمعین ؓ

الحمد للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوا دیئے جاسکے ۔

تفسیرِ قادری تین حصّوں میں ہے ۔

پہلا حصّہ :- سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصّہ :- سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصّہ :- سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سید الشیوخ حافظ کلام مبین ابوالوفا سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہٗ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا ۔ اس تفسیر کا تاریخی نام " تفسیر کشف القلوب " ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے ۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری و باطنی فیض پاتے رہے ۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا ۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی ۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا ۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا ۔ اسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۲۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سید الشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا ۔

سیدی ؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا ۔ جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے ۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے ۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیش نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی منسلک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رح کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی نُقیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہ ہوسکی۔ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتداء کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپکے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ ہی کے اہل خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جاسکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کرلی گئی ہے۔ جسپر نظرِ ثانی ہونی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کردی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری تفسیر سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الحج (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ المومنون (۱۸ واں پارہ) تا سورۃ الفاطر (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ (۲۲ واں پارہ) تا سورۃ فتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اوّل } تفسیر سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ النجم (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)

جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)

جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلات
(۲۹ واں پارہ مکمل)

جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)

جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)

جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورہ البقر کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

تاریخ ۲ / محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ / جولائی ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں اور خوش رکھیں۔
میری خاص دعائیں برادر طریقت مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلئے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اسے قبول کریں۔

آمین

والحمدللہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدرآباد

کلامِ صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہر گز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدون کا اعتقاد ہے۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکام تفسیر ظاہر کو حاصل کر کے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں۔

مقدمہ تفسیر قادری صہ ۱۱، صہ ۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے۔

مقدمہ تفسیر قادری صہ ۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی میں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحر سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کر کے ساحل مقصود تک پہنچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیائے عظام کی توجہ بھی ضرور ہے۔

مور مسکیں ہو دانشت کہ در کعبہ رسد ؎ دست در پای کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

تفسیر[۴۹]سورہ حجرات تا [۵۲]سورہ طور

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ

[۴۹]سورہ حجرات[مدنی]

حروف[۱۴۷۶] کلمہ[۳۴۰]

آیتیں [۱۸] رکوع [۲]

آیت[۱] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۱
لَاتُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ...... ۱
آداب دربار رسالت ﷺ ۱
آیت[۲] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَاتَرۡفَعُوۡۤا ۳
اَصۡوَاتَکُمۡ ....
شانِ نزول ۴
مغفرت کے لئے تعظیم نبوی ضروری ہے ۶
آیت[۳] اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ
اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ۶
تعظیم نبوی کے متعلق امام مالک کا فتویٰ ۸
آیت[۴] (اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ ......
تاختم آیت[۵]غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۱۰
تعلیم آداب باہمی ۱۲
آیت[۶](یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ
جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ ۱۳
آیت[۷] وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ
اللّٰهِ تاختم آیت[۸] عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۱۶
احکام نبویؐ کی اطاعت اور خودرائی کی ممانعت ۱۶
آیت[۹] وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ ۱۸
احکام مصالحت بین المسلمین ۲۰
آیت[۱۰] اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ ۲۰
تعلیم اخوتِ اسلامی ۲۱
آیت[۱۱] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
لَایَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ...... ۲۴

آپس میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت ۲۲
آیت[۱۲] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا
كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ...... ۲۴
بدگمانی اور غیبت کی ممانعت ۲۴
آیت[۱۳] یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى...... ۲۷
تقویٰ حقیقی معیار فضیلت مسلم ہے ۲۷
اسلام اور ایمان کا فرق ۲۹
آیت[۱۴]قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا...... ۲۹
مومن کی تعریف ۳۲
آیت[۱۵]اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ ۳۲
آیت[۱۶]قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ ۳۲
ہدایتِ اسلام احسان خداوندی ہے ۳۳
آیت[۱۷] یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۳۳
آیت[۱۸]اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ...... ۳۳

[۵۰]سورہ ق [مکی]

حروف[۱۴۷۷] کلمہ[۳۷۵]

آیتیں [۴۵] رکوع [۳]

فضیلت سورہ ق ۳۴
آیت[۱]قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۳۵
روایات نبی اسرائیل کس صورت میں قابل قبول ہیں ۳۸
قرآن مجید کی قسموں کا بیان ۳۸
رسولؐ کے انسان ہونے کی مصلحت ۴۰
حیات بعد الموت پر ایک مبسوط بحث ۴۱
آیت[۴] قَدْ عَلِمْنَا مَاتَنْقُصُ الْاَرْضُ
تاختم آیت[۱۱] كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۵۰
کفار مکہ کی کج فہمی ۵۰
آیت[۱۲]كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ
تاختم آیت[۱۸]...... رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۵۶
حلول واتحاد کی نفی ۶۰
ذکر کراماً کاتبین ۶۱
آیت[۱۹]وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ ......
تاختم آیت[۳۰]هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ۶۵
انسان موت کی چوکھٹ پر ۶۷
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے ۶۸
یہ ہے موجودہ انجیل ۷۰
رفیقِ اعلیٰ کی طرف سید الانبیاء ﷺ کا سفر ۷۴
ذٰلِكَ مَاكُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ۷۷
وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ۷۷
وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ ۷۷
لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ۷۷
فَكَشَفْنَا عَنْكَ ۷۸
وَقَالَ قَرِیْنُهٗ ۷۸

نامۂ اعمال کا انکشاف اور اس کا اثر	۷۸	آیت[۳۸]وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ	
اَلۡقِيَا فِیۡ جَهَنَّمَ	۷۹	تاختم آیت[۴۵]مَنۡ يَخَافُ وَعِيۡدِ	۹۳
وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ رَبَّنَا	۸۰	وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ	
قَالَ لَاتَخۡتَصِمُوۡا	۸۰	تخلیقِ کائنات کے چھ دن	۹۵
مَايُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ	۸۱	وَمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡب	۹۶
يَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ		فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ	
دوزخ کی حرص	۸۲	محبّ کی محبوب کو تسلی	۹۷
وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ		وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ	۹۷
جنت کا اشتیاق اہلِ جنت کیلئے	۸۳	وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ	۹۸
آیت[۳۱]وَاُزۡلِفَتُ الۡجَنَّةُ ...... تاختم		تعلیمِ تسبیح	۹۹
آیت[۳۷]وِهةوَ شَهِيۡدٌ	۸۳	وَاسۡتَمِعۡ يَوۡمَ يُنَادِ الۡمُنَادِ	۱۰۰
وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرُ بَعِيۡدٍ	۸۵	يَوۡمَ يَسۡمَعُوۡنَ الصَّيۡحَةَ بِالۡحَقِّ......	۱۰۱
هٰذَا مَاتُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ	۸۶	ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُرُوۡج	
اَوَّابٍ حَفِيۡظٌ	۸۶	اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِيۡتُ..................	
مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ	۸۷	وَاِلَيۡنَا الۡمَصِيۡرُ	۱۰۲
اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ	۸۸	روزِ حشر کی تفصیل	
لَهُمۡ مَايَشَآءُوۡنَ	۸۹	يَوۡمَ تَشَقَّقُ الۡاَرۡضُ	۱۰۲
كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ	۹۰	ذٰلِكَ حَشۡرٌ عَلَيۡنَا يَسِيۡرٌ......	۱۰۳
اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى	۹۱	نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ	۱۰۳
سمعِ قبول وسمعِ رد	۹۲	وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ	۱۰۳
		فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ	۱۰۳

نزولِ قرآن سے پہلے اور بعد کے عرب سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ۱۰۴

[۴۹] سورہ ذاریت [مکی]
حروف [۱۲۸۶] کلمہ [۳۷۰]
آیتیں [۶۰] رکوع []

اقسام القرآن ۱۰۹
وجوہِ قسم ۱۱۰
مقسم بہ ۱۱۱
قرآن کے مقسم علیہ ۱۱۲
سورہ قٓ اور ذاریت کا باہمی ربط و مناسبت ۱۱۲
آیت [۱] وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا تا ختم آیت [۱۴] بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۱۱۳
ابوالطفیلؓ کی روایت ۱۱۵
سعید بن مسیّبؓ کی روایت ۱۱۶
اِنَمَا توعدون لصادق ۱۲۰
والسماء ذات الحبك ۱۲۱
منکرینِ قریش کی اختلافِ بیانی ۱۲۲
یوفك عنه من افك ۱۲۴
قتل الخراصون ۱۲۶
شرائطِ قبولِ عمل ۱۲۷
الّذین هم فی غمرة ساهون ۱۲۹
یسئلون ایّان یوم الدین
یومهم علی النار یفتنون
منکرین کا انجام ۱۳۰
مؤمنین اور متقین کا انجام ۱۳۱
آیت [۱۵] اِن الْمُتَّقِیْنَ ...... تا ختم
آیت [۱۹] حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۱۳۱
اِن الْمُتَّقِیْنَ ...... مراتبِ تقویٰ ۱۳۲
اٰخِذِیْن ما اٰتهم ربّهم ۱۳۴
اِنَّهُم کانوا قبل ذلك محسنین ۱۳۴
کانوا قلیلا من الّیل ماتهجعون ۱۳۵
فیضانِ الٰہی بلحاظ استعداد ۱۳۵
وبالاسحارهم یستغفرون ۱۳۶
نمازِ تہجد اور اس کا بہترین وقت
وفی اموالهم حق للسائل والمحروم ۱۳۷
محروم کے معنیٰ ۱۳۸
آیت [۲۰] وَفِی الْاَرضِ اٰیَاتٌ ...... تا ختم آیت [۲۱] اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۱۴۱
حصولِ معرفت کے طریقے ۱۴۱
یقین کے لغوی معنیٰ ۱۴۳
یقین کے اصلاحی معنیٰ ۱۴۴

موجباتِ یقین	۱۴۵
اقسامِ بدیہات	۱۴٦
فلسفہ کا دعوی	۱۵۰
پہلا واقعہ (شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا مکتوب)	۱۵۵
دوسرا واقعہ (امام فخر الدینؒ رازی کا واقعہ)	۱٦۸
مراتبِ یقین	۱۷۲
آیت کے معنیٰ	۱۷۳
آیاتِ ارضی	۱۷۳
معرفتِ فلاسفہ	۱۷۵
معرفتِ متکلمین	۱۷۷
معرفتِ صوفیہ	۱۷۸
عارفینِ وجودیہ	۱۷۹
عارفینِ شہودیہ	۱۸۰
وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ	۱۸۰
سیر فی الانفس	۱۸۰
آیت[۲۲]وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ تاختم	
آیت[۲۳]اَنَّکُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ	۱۸۲
ایک نکتہ	۱۸۳
وَما توعدون	۱۸۴
فورب السماء	۱۸۴
آیت[۲۴]ھَلۡ اَتٰکَ حَدِیۡثُ ضَیۡفِ اِبۡرٰھِیۡمَ	
...... تاختم آیت[۳۰]ھُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ	۱۸٦
حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۸۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمان	۱۸۹
آدابِ ضیافت	۱۹۱
حضرت بی بی سارہؓ	۱۹۲
ستائیسواں پارہ	
آیت[۳۱]قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ...... تاختم	
آیت[٦٦]...... الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ	۱۹۴
انا ارسلنا الی قوم مجرمین	۱۹۸
مجرمینِ سدوم اور حضرت لوط علیہ السلام	۱۹۹
ایک نازک سوال اور اس کا بہترین جواب	۲۰۰
عبرت کی پہلی نشانی سدوم کی بربادی	۲۰۱
فتولّٰی برکنه	۲۰۲
دوسری نشانی فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی	۲۰۳
تیسری نشانی قومِ عاد کی تباہی	۲۰۳
چوتھی نشانی قومِ ثمود کی تباہی	۲۰۴
پانچویں نشانی طوفانِ نوحؑ	۲۰۷
منکرین کے ذہنوں کا اختلاف	۲۰۸

والسماء بنینٰها باید	۲۰۹
ومن کل شئی خلقنا زوجین	۲۰۹
لعلکم تذکرون	۲۰۹
ففروا الی الله......	۲۱۰
فتول عنهم فما انت بملوم	۲۱۱
وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین	۲۱۲
مقصودِ آفرینش	۲۱۳
وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون	
اقسامِ عبادت	۲۱۴
وما ارید منهم من رزق..................	۲۱۴
هو الرزاق ذوالقوة المتین	۲۱۵
فان للّذین ظلموا	۲۱۵
فویل للّذین کفروا	۲۱۶

[۵۲]سورہ طور[مکی]

حروف[۱۵۰۰] کلمہ[۳۱۲]

آیتیں [۴۹] رکوع []

	۲۱۷
آیت[۱]وَالطُّورِ تاختم آیت[۱۶]	
مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	۲۱۸
وکتٰب مسطور ورق منشور	۲۲۲
کتابِ مسطور کی تحقیق	
والبیت المعمور	۲۲۴
واسقف المرفوع	۲۲۵
والبحر المسجور	۲۲۵
انّ عذاب ربّك لواقع	۲۲۵
آخرت میں آپ ﷺ کے رب کا عذاب	۲۲۵
ماله من دافع عذاب اٹل اور دائمی	۲۲۶
یوم تمور السماء مورا	
.... آسمان لرزنے لگیں گے	۲۲۶
وتسیر الجبال سیرا	
پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائینگے	۲۲۶
فویل یومئذ للمکذبین	۲۲۷
ویل کلمہ اور دوزخ کی وادی	۲۲۷
الّذین هم فی خوضٍ یلعبون	۲۲۸
بے ہودہ گوئی سے کھیلتے ہیں	
یوم یدعون الیٰ نار جهنم دعّا	۲۲۸
هذه النار الّتی کنتم بهاتکذبون	۲۲۹
دوزح جس کو جھٹلاتے تھے	
افسحر هذا ام انتم لاتبصرون	۲۲۹
کیا یہ بھی نظر بندی ہے	
اصلوها فاصبروا اولاتصبروا	۲۳۰
آگ میں داخل ہو جاؤ	

انّماتجزون ماکنتم تعملون	٢٣٠
محض تمہارے کرتوت کا بدلہ	
آیت[١٧]اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ تاختم آیت	
[٢٨]هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمِ	٢٣١
انّ المتقين فی جنت و نعيم......	٢٣٣
نعمات جنت	
فاكهين بما اتهم ربّهم	٢٣٣
ووقٰهم ربهم عذاب الجحيم	٢٣٤
كلوا واشربوا هنيئا	٢٣٤
متكئين علىٰ سرر مصفوفه	٢٣٥
وزوجّنٰهم بحورٍ عين	٢٣٥
والّذين اٰمنوا واتبعتهم ذريّتهم	٢٣٧
ذریت کے معنی اور اس کے اقسام	٢٣٩
ومآ التنٰهم من عملهم من شئی	٢٤١
بیان عدل كلّ امرئ بماكسب رحين	٢٤٢
وامددنٰهم بفاكهة	٢٤٤
ولحم مما يشتهون	٢٤٤
محرکات عمل	٢٤٦
يتنازعون فيها كاْسًا لالغو	٢٤٧
ويطوفو عليهم غلمانٌ	٢٤٨
واقبل بعضهم علىٰ بعض......	٢٤٩
قالوا انّا كنّا قبل فی اهلنا مشفقين	٢٥٠
فی اهلنا مشفقين کی ایک خاص توضیح	٢٥٠
فمن الله علينا ووقٰنا	٢٥٣
انّا كنّا من قبل ندعوه	٢٥٣
انه هو البرّ الرحيم	٢٥٤
آیت[٢٩]اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ تاختم آیت [٣٥]هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمِ	٢٥٤
کفار قریش کی چار گستاخیاں	٢٥٥
پہلی گستاخی کی حقیقت	٢٥٥
دوسری گستاخی کی حقیقت	٢٥٧
تیسری گستاخی کی حقیقت	٢٥٨
چوتھی گستاخی کی حقیقت	٢٥٨
فذكر فمآ انت بنعمت ربك	٢٥٩
درس عبرت ام يقولون شاعر	٢٦١
شانِ نزول	٢٦١
قل تربصوا فانی معكم	٢٦٣
ام تاْمرهم احلامهم بهذا	٢٦٣
ام يقولون تقوله	٢٦٤
معجزہ فصاحت قرآنی فلياتوابحديث مثله ان كنتم صٰدقين	٢٦٤
ام خلقوا من شئی ام هم الخالقون	٢٦٥

آیت[۳۶]اَمۡ خَلَقُوۡا السَّمٰوٰتِ	
تاختم آیت[۴۳] عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ	۲۶۶
اَمۡ خَلَقُوۡا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ	۲۶۷
ام عندهم خزآئن ربّك ام	۲۶۸
ام لهم سلّم يسمعون فيه	۲۶۹
ام له البنٰت ولكم البنون	۲۷۰
ام تسئلهم اجرًا فهم	۲۷۱
ام عندهم الغيب	۲۷۱
ام يريدون كيدًا	۲۷۲
فالّذين كفروا هم المكيدون	۲۷۲
ام لهم اله غير الله	۲۷۳
سبحٰن الله عما يشركون	۲۷۳
آیت[۴۴]وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ	
تاختم آیت[۴۳] وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ	۲۷۳
وان يروا كسفًا من السماء ساقطا	۲۷۶
عقیدہ اور عمل کا اثر روح پر	۲۷۶
فذرهم حتٰى يلٰقوا يومهم	۲۷۷
يوم لايغنى عنهم كيدهم..................	۲۸۰
و ان للّذين ظلموا عذاب	۲۸۱
ولٰكن اكثرهم لايعلمون	۲۸۲
معاندین ومخالفین اسلام کی دوقسمیں	
واصبر لحكم ربك	۲۸۲
فانك باعيننا	۲۸۳
وسبح بحمد ربك حين تقوم	۲۸۳
حين تقوم پہلے معنی	۲۸۴
حين تقوم دوسرے معنی	۲۸۵
حين تقوم تیسرے معنی	۲۸۶
تینوں روایتوں میں تطبیق تسبیح	۲۸۶
ومن اليل فسبحه و ادبار النجوم	۲۸۸
تسبیح ادبار النجوم کے متعلق اختلاف روایات	۲۸۸
تسبیح ادبار النجوم کے متعلق حافظ ابن جریر کی تحقیق	۲۸۹

پیرومرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین ودنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک
خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصرالحق
الحمد للہ ربّ العالمین

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ
حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو
ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

[۴۹]سورہ حجرات تا [۵۳]سورہ نجم

حصہ دوم جلد اول

از

شیخ الاسلام سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ)

۱۹ سورہ حجرات

سُوۡرَۃُ الۡحُجُرٰت

یہ سورہ مدنی ہے۔ اس کے حروف (۱۴۷۶) کلمے (۳۴۰) آیتیں (۱۸) ہیں (نیشاپوری)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

آیت ۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ 49-1
اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝۱ اے ایمان والو خدا اور اسکے رسول کے آگے پیش قدمی
نہ کرو اور خدا سے ڈرو بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے :۔

اس سے پہلی سورۃ میں سرکار عالم کی رفعت شان اور آپ کے منصب نبوت کی عظمت کے ساتھ صحابہ کرام کے فضائل وخصوصیات کا بیان ہوا تھا۔ اب اس سورۃ میں آداب و اخلاق فاضلہ کی تعلیم فرمائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ تمام فضائل و مراتب محض حضور انور کی صحبت کا صدقہ ہیں اس لئے اس کی ابتداء دربار رسالت کے آداب سے ہوئی ہے اور پہلا حکم یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی نہ ہو۔ پیش قدمی سے کیا مراد ہے؟

اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ[1] فرماتے ہیں کہ کتاب وسنّت کے خلاف نہ کہو۔ جابر وحسن رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ آنحضرتؐ کے (جانور قربانی) ذبح کرنے سے پہلے ذبح نہ کرو۔ کیونکہ جن لوگوں نے ایک عید ضحٰی میں ایسا کیا تھا ان کو آپ نے پھر ذبح کا حکم دیا۔ حضرت بی بی عایشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ انور سے پہلے روزہ نہ رکھو۔ کیونکہ بعض لوگوں نے رمضان سے پہلے روزے رکھنا شروع کر دیا تھا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ کسی قول وفعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت نہ کرو تاوقتیکہ سرکارؐ خود حکم صادر نہ فرمائیں[2]۔ جابرؓ کا ایک دوسرا قول ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استفسار نہ فرمائیں کچھ نہ کہو۔ حسن بصریؓ سے بھی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ مانگو۔ سفیانؔ ثوری کہتے ہیں کہ یہ حکم قول وفعل دونوں کو شامل ہے[3]۔ چونکہ لا تقدموا کا مفعول مذکور

---

[1] معاذؓ بن جبل کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس چیز سے حکم کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو عرض کیا کہ سرکار دو عالم صلعم کی سنت کے موافق حکم کرونگا۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض کیا پھر اپنے اجتہاد سے کام لونگا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر تھپکی دی اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے ایلچی کو ایسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا۔ (ابن کثیر جلد ۹ صـ ۲۶۹) [2] تفسیر خازن جلد ششم صـ ۱۸۱ [3] ابن کثیر۔

نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیم بھی اسی کی مقتضی ہے کہ یہ سب اُمور اس میں داخل ہوں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سننے اور جاننے والا ہے یعنے خدائے تعالیٰ تمھارے اقوال کو سننے والا اور تمھارے افعال اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔

آیت ۲
49-2
يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اے ایمان والو تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان سے اس طرح پکار کر بات کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے پکار کر گفتگو کرتے ہو۔ (ورنہ) تمھارے اعمال کارت ہو جائینگے اور تمھیں خبر تک نہ ہوگی

دربار رسالت کے یہ دوسرے ادب کی تعلیم ہے کہ خبردار ہمارے حبیبؐ کے آگے اپنی آواز کو بلند نہ کرنا اور اس کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ جب سرکارِ عالم کسی کو شرف مکالمت عطا فرمائیں تو حضورؐ کے مخاطب کا فرض ہے کہ اسکو کمالِ ادب و خاموشی سے سنتا رہے۔ اور تاوقتیکہ ارشاد نبوی ختم نہ ہو اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔ کیونکہ قطع کلام کرنا اور کسی کی بات کاٹ کر درمیان میں بولنا اپنے ہم رتبہ کے مقابلہ میں بھی ناشائستگی اور بدتہذیبی ہے پھر اپنے سے عالی مرتبہ خصوصًا بارگاہِ رسالت میں تو کمال بے ادبی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ اگر اپنی طرف سے بھی

حضورؐ میں کچھ عرض کرنا ہو تو آواز نہایت پست اور لب و لہجہ نہایت ادب آمیز ہونا چاہیئے۔

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الایہ کے بعض علماء نے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو نام و کنیت سے پکارتے ہیں اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارو بلکہ حضور کو نہایت نرم آواز سے یا نبی اللہ یا رسول اللہ سے مخاطب کرو[1]۔

شانِ نزول: اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے کچھ آدمی سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بنی تمیم میں قعقاع بن معبد کو سردار قوم بنا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ اقرع بن حابس کو سردار بنائیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے عمر اس میں تم کو صرف میری مخالفت مقصود ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا مقصد آپ کی مخالفت نہیں ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت صدیقؓ اکبر نے تو عہد کر لیا کہ آئندہ سے وہ اس طرح گفتگو کریں گے جیسے کوئی راز دار گفتگو کرتا ہے فاروقؓ اعظم کی بھی یہی حالت تھی کہ

---

[1] ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۴،۷۵

جب آنحضرت سے کچھ عرض کرتے تو نہایت دھیمی آواز سے گفتگو کرتے اور ایک جلیل القدر صحابی حضرت ثابت رضؓ ابن قیس جن کو ثقل سماعت کی شکایت اور آواز بلند تھی اپنے گھر میں بیٹھ گئے کہ یہ آیت میرے ہی سبب سے نازل ہوئی کیونکہ میری ہی آواز بلند ہے لہٰذا میرے سارے اعمال اکارت ہو گئے۔ اور میں دوزخی ہوں۔ رحمۃ للعٰلمین کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کو طلب فرما کر جنت کی خوش خبری سنائی تب انکو اطمینان ہوا۔

ترمذی انس رضؓ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم مہاجرین و انصار کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو سوائے ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کے کوئی سر نہ اٹھاتا البتہ یہ دونوں حضرات حضور انور کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے اور حضور بھی ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔ دربار رسالت کی ایک تصویر اسامہ رضؓ بن شریک ان الفاظ میں کھینچتے ہیں کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کے اصحاب آپکے گرد اس طرح (چپ چاپ اور بے حس و حرکت) صف بستہ ہیں کہ گویا ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہوئے ہیں (شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۳۱)

صحابہ کرامؓ کی یہ اطاعت و فرماں برداری پسند آتی ہے رحمت الٰہی کو جوش ہوتا ہے اور عرش اعظم سے اظہار خوشنودی کا پیغام اور مغفرت و اجر عظیم کی سند ان

آیت ۳ — مغفرت کے لئے تقویٰ ضروری ہے

الفاظ میں نازل ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

9-3 امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

بیشک جو لوگ اپنی آوازیں رسُول اللہ کے حضور میں پست رکھتے ہیں

وہی ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے آزمایا ہے اور ان کے لئے

مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

یعنے اپنے حبیبؐ پاک کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کی تعلیم جو تم کو دی گئی اور جس پر تم نے ہمارے حسب منشاء عمل کیا وہ دراصل تمھارے دلوں کا امتحان تھا تاکہ تم کو تقویٰ کی سند سے سرفراز کیا جائے کیونکہ وہی متقی ہے اور اسی کو تقویٰ نصیب ہوتا ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور آپ کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسے با ادب لوگوں کے لئے خدا کی بخشش اور اس کا بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں اخلاص و ایمان رکھا ہے جس کے بدلہ ان کے لئے اجر عظیم ہے۔ مومنوں کے دلوں میں اگر معصیت کی خواہش پیدا بھی ہوتی ہے تو وہ خلوص ایمان کی بدولت اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کو معصیت کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور ایک کو نہ معصیت کا

خیال آتا ہے اور نہ وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ان دونوں میں افضل کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جسے معصیت کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور یہ آیت پڑھی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ الآیہ

چونکہ آواز کا بلند کرنا اور کسی بات میں تقدیم کرنا خود کو بزرگ سمجھنے اور بزرگی چاہنے کی دلیل ہے اور یہ آداب رسالت کے خلاف ہے اس لیئے اللہ تعالےٰ نے تقدیم سے منع فرمایا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بزرگی چاہنا کیا معنی۔ یہاں تو اپنے اکرام کو چھوڑنا عین اکرام ہے اپنے احترام کو ترک کرنا حقیقی احترام ہے اور یہاں کی ذلّت ہزار عزّتوں کی عزّت ہے اور یہی اصل تقویٰ ہے کیونکہ جب کوئی شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کریگا تو وہ بدرجۂ اولی اللہ تعالیٰ کا ادب کریگا اور اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" ومن یعظم شعائر اللہ فانّہا من تقوی القلوب" اللہ تعالیٰ کے آداب و تعظیم کی علامت تقویٰ ہے تو پھر بھلا اعظم شعائر اللہ یعنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیوں تقویٰ کی دلیل نہ ہوگی۔ اس لئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کے سامنے اپنی آوازیں پست کرتے ہیں وہ لوگ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالےٰ نے تقوےٰ[1] کے لئے خالص کر دیا ہے۔ اللہ ہدایت دے

[1] التقوی۔ تاء التقوی مقلوبٌ من الواوُ۔ والتقوی جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف۔ التقوی فی تعارف الشرع حفظ النفس عما یؤثم وذلك بترك المحظور ویتم ذلك بترك بعض المباحات (مفردات راغب) بقیہ حاشیہ

تعظیم نبوی کے متعلق حضرت امام مالک کا فتویٰ

ان ناسمجھوں کو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ عظمت میں خود بھی کوتاہی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ویسی ہی ہدایت دیتے ہیں اور پھر عالم و متقی ہونے کے مدعی بھی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ جس قدر حضور اکرمؐ کی عظمت کو گھٹانے کوشش کرینگے اسی قدر ان کے ایمان میں نقص ہوگا۔ یہ بات مسلم ہے کہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی تعظیم کے بعد ساری کائنات میں سزاوار عظمت حضور انور ہی کی ذات والاصفات ہے صاحبؒ بردہ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیّھم   واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی تعظیم و تکریم آپ کی حیات طیبہ میں تھی آپ کے اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قال الاستاذ ابو علی الدقاقؒ۔ التقوی:۔ اتقاء الشرک۔[1] ثم بعدہ اتقاء المعاصی[2] والسیئات۔ ثم بعدہ اتقاء الشبہات۔[3] ثم تدع بعدہ الفضلات[4] (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۰ مطبوعہ مصر)

ابن عطا فرماتے ہیں کہ تقوی ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی۔ ظاہر تقوی محافظت حدود ہے اور اسکا باطن نیت اخلاص ہے (ایضاً) عوام[1] کا تقوی شرک سے ہے اور خواص[2] کا معاصی سے۔ اولیاء[3] کا افعال کو وسیلہ بنانے سے اور انبیاء[4] کا افعال کی نسبت سے کیونکہ انکا تقوی خدا سے خدا ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جناب امیرؓ فرماتے ہیں لوگوں کے سردار دنیا میں سخی اور آخرت میں وہ ہوتے ہیں جو متقی ہیں (ایضاً ص ۶۲)

التقوی:۔ جماع الخیرات کلھا۔ فمن اتصف بھا فقد حاز جمیع الخیرات (نتائج الافکار جلد دوم ص ۱۴۱ مطبوعہ مصر)

حضرت شیخ اکبرؒ نے بھی تقویٰ کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں تقویٰ اللہ۔[1] تقوی الحجاب والستر۔[2] تقوی الحدود الدنیویہ۔[3] تقوی النار۔[4] اور فتوحات میں ہر ایک قسم کا ایک خاص باب علیحدہ علیحدہ لکھا ہے (فتوحات مکیہ جلد دوم ابواب ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶)

جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی ویسی ہی تعظیم وتکریم واجب ہے۔ بلکہ آپ کا ذکر اور آپ کی حدیث شریف اور آپ کا اسم مبارک سنتے وقت بھی ویسی ہی تعظیم و ادب لازمی ہے بلکہ آپ کی آلؑ وعترت اور آپ کے اصحابؓ کرام کے سیر پاک سنتے وقت بھی وہی ادب و احترام ملحوظ رہے۔ خلیفہ منصور نے مسجد نبوی میں امام مالکؒ سے کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو امام مالکؒ نے اس کو ٹوک دیا کہ اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کیجئے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھایا ہے کہ اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرے اور اس قوم کی تعریف کی ہے جس نے اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پست رکھیں۔ اور ایک قوم کی مذمت فرماتا ہے کہ ان الذین ینادونک الآیہ اور آپکی جو حرمت حیات میں تھی وہی بعد حیات بھی ہے۔

امام مالکؒ کے پاس طلبا، حدیث کی جب کثرت ہوئی تو ان سے کہا گیا کہ آپ اگر مستملی علہ مقرر فرمالیں تو سب لوگ سن سکتے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی یاایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور اس کے بعد فرمایا حرمتہ حیاً ومیتاً سواء (شفاء شریف جلد دوم صفحہ ۳۲، ۳۳، ۳۴)

ابو ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کا ذکر ہو تو ہر مومن کا فرض ہے کہ وہی خشوع وخضوع اور ویسی ہی تعظیم وتکریم اور وہی ادب واحترام ملحوظ رکھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

علہ (لکھنے والا)

سامنے ہونے پر ملحوظ رکھتا۔

قاضی عیاضؒ جو اپنے وقت کے زبردست فقیہ اور امام تھے فرماتے ہیں کہ هذه كانت سيرة سلفنا الصالح وائمتنا الماضيين رضی اللہ تعالیٰ عنہم (شفا شریف جلد دوم صفحہ ٣٢) اسی پر موقوف نہیں بلکہ فاروقؓ اعظم کی سنّت بھی یہی ہے چنانچہ سرکار کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک روز مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شخصوں کو بلند آواز سے بات کرتے سنا اور ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم طائف کے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اہلِ مدینہ ہوتے تو میں تمھیں دُرّوں کی سزا دیتا۔

ع٥ ٥٧ آیت

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ[1] أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ 49-4
صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ 49-5

(اے نبی) بے شک جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں کے اکثر (آپ کی شان کو) نہیں سمجھتے۔ اور اگر وہ (لوگ) صبر کرتے یہاں تک کہ آپ (از خود) برآمد ہوتے تو یقیناً یہ ان کے لئے اچھا ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کی شان نزول میں دو روایتیں ہیں (١) اقرع ابن حابس نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہو کر حجرے کے باہر سے حضور کا

[1] حجرات حجرہ کی جمع ہے اور حجرہ کے معنی کمرہ کے ہیں یہاں حجرات سے مراد آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات کے محل سرا ہیں ١٢

نام مبارک لیکر پکارا اور کہا کہ باہر آئیے حضورؐ نے آواز نہیں دی۔ دو بارہ اس طرح آواز دی یا محمد ان حمدی زین وان ذمی شین یعنے میری تعریف اچھی ہے اور میری مذمت بری۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ ہی ہے جس کی تعریف اچھی اور مذمت بری ہے (واحدی صفحہ ۲۸۹)

(۲) زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عربوں کی ایک جماعت نے کہا کہ چلو اس آدمی (رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں گے۔ اگر وہ نبیؐ ہے تو ہم سعادت حاصل کرینگے اگر وہ فرشتہ ہے تو ہم اس کے پروں کے زیر سایہ زندگی بسر کرینگے میں نے (زید بن ارقمؓ) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کردی پھر وہ جماعت حجرہ مبارک تک آئی اور حضورؐ انور کو نام مبارک سے پکارنا شروع کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۷۷)

اس آیت کریمہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز بلند کرنی تو کجا آپ کے دولت سرا کے باہر سے بھی آپ کو آواز دینی سخت بے ادبی سراسر نادانی اور خلاف شان ایمان ہے۔ آخر پر ان ناداتوں کو خود تبارک وتعالےٰ تعلیم فرماتا ہے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھاتا ہے کہ جب تم ہمارے نبی کے دروازہ پر حاضر ہو تو خبردار ان کو آواز نہ دینا۔ بلکہ ان کے دروازہ پر منتظر

کھڑے رہو۔ یہانتک کہ ہمارا حبیب[ا] یعنے تمھارا آقا و مولیٰ از خود بر آمد ہو۔ اسی میں تمھاری خیر اور فلاح دارین ہے اس سے قبل جو کچھ تم نے عدم واقفیت سے ترکِ ادب کیا اسکو ہم نے معاف کیا کیونکہ اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تعلیم فرما کر اب آپس کے آداب کی تعلیم تین[۲] طرح پر فرماتا ہے۔ اول فاسقوں کے مقابلہ میں ایک مسئلہ بیان فرماتا ہے جو سیاست منزل اور سیاست مدنیہ کا اصل اصول ہے۔ پھر مومنین خاص کا رکھ رکھاؤ اور پھر مومنین غائب کے ساتھ طرز عمل کی تعلیم دیتا ہے۔ چونکہ غلط خبروں سے مسلمانوں میں

ا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ پاک کے جو حقوق اپنے بندوں پر عائد کئے ہیں انکا پہلا زینہ ادب ہے جسکے متعلق چار اصولی احکام صادر ہوئے ہیں (۱) حضور کے آگے کوئی مسلمان قولاً یا فعلاً کسی طرح کی تقدیم نہ کرے (۲) کوئی مسلمان حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے (۳) پکار کر گفتگو نہ کرے (۴) حضور جب اندر تشریف فرما ہوں تو باہر سے آواز دیکر نہ بلائے۔ یہ آداب جو حضور کیلئے بیان ہوئے ہیں آپ کے بعد جو آپ کا نائب ہو سب کو اس کا بھی احترام کرنا چاہیئے خواہ وہ شریعت کا امام ہو یا طریقت کا جسکو شیخ یا پیر یا مرشد کہتے ہیں چنانچہ انہیں آیات کے استدلال سے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ادب المرید مع الشیوخ عند الصوفیۃ من مھام الاداب و للقوم فی ذالک اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہؓ وقد قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا الایۃ (عوارف المعارف جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۵۹) سرکار بغداد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی ارشاد مبارک ہے کہ من آداب المرید ان لا یتکلم بین یدی الشیخ الا فی الضرورۃ (غنیۃ الطالبین جلد دوم صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ مصر) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ فالواجب علیہ (ای علی المرید) ترک مخالفۃ الشیخ فی الظاھر و ترک الاعتراض علیہ فی الباطن (ایضاً صفحہ ۱۶۳)۔

باہم فتنہ وفساد پیدا ہو جایا کرتا ہے اس لئے سب سے پہلے فرمایا کہ بلاتحقیق کسی فاسق کی کسی بات کا اعتبار نہ کرو جس طرح ارشاد ہے

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا 49-6
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے ہاں کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو (ایسا نہ ہو) کہ تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہونچاؤ پھر اپنے کیئے پر نادم ہو۔

یہ آیت ولید بن عقبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ اس واقعہ کو حارث ضرار الخزاعی اس طرح فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کے دربارِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ حضور انور نے دعوتِ اسلام کے بعد دعوت زکواۃ دی۔ میں نے اس کو بھی قبول کیا۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اب لوٹتا ہوں اور اپنی قوم کو اسلام اور ادائے زکواۃ کا تبلیغی پیغام دیتا ہوں۔ جو میری دعوت پر لبیک کہے اور زکواۃ ادا کرے تو میں اسکو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں حضور اپنے کسی آدمی کو روانہ فرمائیں تو اس کے ذریعہ زکواۃ کا مال گذران دیا جائے۔ چنانچہ حضرت حارثؓ تشریف لے گئے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دی اور مال زکواۃ جمع کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے منتظر رہے۔ جب قاصد کے آنے میں تاخیر ہوئی تو

حارثؓ کو خیال ہوا کہ شاید مجھ سے کچھ نہ کچھ قصور ہوا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا عتاب ہوا۔ پس حضرت حارث نے سردارانِ قوم کو جمع کیا اور فرمایا کہ زکواۃ کا مال میرے ہاں سے لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت مقرر فرمایا تھا۔ حضور انور سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔ قاصد کے نہ آنے کی وجہ میں یہہ سمجھتا ہوں کہ یہ صرف حضور اقدس کا عتاب ہے۔ چلو ہم خود دربار اقدس میں حاضر ہو جائینگے اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارثؓ کی طرف یہ کہہ کر روانہ فرمایا تھا کہ حارثؓ کے ہاں جو کچھ زکواۃ کا مال ہو لیتے آنا۔ ولید بن عقبہ تھوڑی دور آکر راستہ سے واپس ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کردیا کہ یا رسول اللہ حارثؓ نے زکواۃ نہ دی بلکہ اُلٹے میرے قتل کے درپے ہوئے۔ حضور غضبناک ہوگئے۔ اور ایک جماعت کو حارثؓ کی طرف روانہ فرمایا۔ اُدھر سے حارثؓ مع اصحاب، مدینہ کی طرف چلے آرہے ہیں۔ مدینہ کے قریب راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی حضرت حارثؓ نے ان لوگوں سے کہا اِلیٰ مَنْ بُعِثْتُمْ۔ انہوں نے کہا " الیك " حارث نے کہا میرے طرف کیسے انہوں نے کہا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو تمھارے ہاں روانہ فرمایا تھا تم نے انہیں زکواۃ نہ دی۔ الٹے انہیں مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ حارث رضی اللہ عنہ نے

کہا کہ لَاوَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم بِالْحَقِّ مَارَائِیْتُہٗ وَلَا اَتَانِیْ۔ یعنے ہرگز نہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا نہ میں نے اس کو دیکھا اور نہ وہ میرے پاس آیا۔ جب حارثؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو حارثؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا نہ میں نے اُسے دیکھا اور نہ وہ میرے پاس آیا۔ بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کوئی قاصد میرے پاس نہ آیا تو میں اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب کے ڈر سے خود حاضر خدمت ہو گیا۔[1]

اس آیۃ کریمہ میں جل جلالہ نے سیاست مدن اور تدبیر منزل کے نہایت اہم مسئلہ کی مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ مسلمانو سنی سنائی خبر پر بلاتحقیق اعتبار نہ کرو بلکہ جب کوئی بدطینت آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو اولاً تم اسکی دوسرے ذرائع سے جانچ پڑتال کرو کہیں ایسا نہو کہ تم ایک مفسد کی اطلاع پر کسی کو نقصان پہنچا دو۔ اس وقت تمہیں بجز ندامت کے اور کیا حاصل ہو گا مسلمانوں کو چاہیئے

[1] ابن کثیر۔ درمنثور۔ والطبرانی۔ فتح البیان۔ ۱۲

ان چیزوں سے بھی بچیں جن کا نتیجہ ندامت ہو۔ ندامت سے اسی وقت بچ سکتے ہیں
جبکہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کریں نہ یہہ کہ مسلمان یہہ چاہیں کہ
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشوروں پر عمل فرمائیں۔ دربارِ رسالت میں انکی
ایسی خواہش خلاف آداب رسالت ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان میں رسول اللہ
7 موجود ہیں جس طرح ارشاد باری ہے وَاعْلَمُوٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ
فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ
8 فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اور جان لو کہ بیشک تم میں
رسول اللہ ہیں اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مان لیں تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے
اور لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت
دیدی اور کفر و فسق و نافرمانی کو تمہارے پاس برا ٹھیرایا ہے یہی لوگ اللہ کے فضل و
احسان سے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ کیونکہ تم میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور وہ تم سب سے بہتر اور تم پر شفیق ہیں کہ النبی

آیت ۷، ۸ اطاعتِ نبوی کی عظمت اور خود رائی کی ممانعت

لے فضل و نعمت میں یہ فرق ہے کہ فضل وہ بھلائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اس سے مستغنی ہے
اور نعمت وہ ہے جو بندہ کی طرف پہونچتی ہے اور وہ اس کا محتاج ہے (تفسیر کبیر)

اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنین میں انکی جانوں سے بہتر ہیں) لہٰذا تم ان کی تعظیم وتکریم اورادب و احترام کرو اور ان کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ وہ تمھاری مصلحتوں کو تم سے بہتر جاننے والے اور تم پر خود تم سے زیادہ شفیق ہیں اور ان کی رائے تمھارے واسطے خود تمھاری رائے سے زیادہ صائب اور مکمل ہے پھر تم کیوں اپنی رائیں لگاتے ہو تم کو چاہیئے کہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ ورنہ مبتلائے تکلیف و آلام ہو جاؤ گے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو سب سے زیادہ تمھارا محبوب بنادیا ہے اور کفر و نافرمانی سے تمھیں نفرت دلائی ہے اسی لیئے تم سیدھے راستہ پر ہو[لے] یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے (اس آیت کریمہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے) پھر مسلمانوں کو

لے جب جنگ احد کے روز مشرکین لوٹ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو حکم دیا کہ درست ہو جاؤ کہ میں اپنے رب عزوجل کی حمد کروں وہ لوگ آپکے پیچھے کئی صف ہو گئے۔ آپنے بہت بڑی دعا پڑھی مختصراً یہ ہے کہ اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان واجعلنا من الراشدین یعنے یا اللہ ایمان کو ہمارا محبوب بنادے اور اسکو ہمارے دلوں میں رچادے اور کفر وفسق وگناہ سے ہمیں نفرت دلادے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کردے (ابن کثیر۔ درمنثور) اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو اسکی نیکیوں سے خوشی ہو اور برائیوں سے رنج تو وہ مومن ہے (ابن کثیر) اس حدیث سے ہر شخص اپنا امتحان کرلے۔ عبادت کی ادائی میں خوشی ہوتی ہے یا گناہوں میں اور اس سے اپنے ایمان کی قوت وضعف۔ وجود و عدم کو ملاحظہ کرے۔ ١٢

ایک اور امر کی تعلیم فرماتا ہے۔

49-9 وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا

عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اور

اگر ایمان داروں میں سے دو گروہ باہم لڑائی کریں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ پھر اگر

ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اس سے تم لڑو یہاں تک وہ اللہ

کے حکم کی طرف رجوع کرے پس اگر (حکم خدا کی طرف) رجوع کرے تو ان دونوں میں

برابری کی صلح کرا دو اور انصاف کرو بے شک اللہ منصفوں کو دوست رکھتا ہے

ایات ۹ احکام مصالحت بین المسلمین

---

[1] اس آیت سے اہلِ حق نے استدلال کیا ہے کہ گناہ سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو ایمان نہیں جاتا اور خوارج و معتزلہ وغیرہ جو کہتے ہیں وہ درست نہیں ہے اور صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز منبر پر خطبہ پڑھنے لگے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس تھے آپ کبھی حضرت حسنؓ کو ملاحظہ فرماتے اور کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے پھر فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ذات سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اہلِ شام و اہلِ عراق کے درمیان طویل لڑائیوں اور ہولناک واقعات کے بعد حضرت حسنؓ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے صلح کرا دی (ابن کثیر) اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ دونوں فرقے بھی مسلمان تھے۔۱۲

[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان المقسطین فی الدنیا علی منابر من لولوء بین یدی الرحمٰن عز وجل بما اقسطوا فی الدنیا (ابن کثیر از نسائی باسناد صحیح) یعنے جو لوگ دنیا میں عدل کرتے تھے وہ رحمٰن عز وجل کے روبرو دنیوی عدل کے بدلے موتی کے ممبروں پر رہیں گے باقی بر صفحہ آئندہ

اس آیت شریف کی شان نزول سے متعلق سدیؒ نے کہا ہے کہ انصار میں ایک شخص عمران نامی تھا اور اس کی بی بی کا نام ام زید تھا ایک مرتبہ اس عورت نے چاہا کہ اپنے کنبہ میں جائے اس کے شوہر نے اس کو روکا اور بالاخانہ پر بند کر دیا کہ وہاں اس کا کوئی قرابت دار نہیں پہنچ سکتا تھا ایک دن اس عورت نے موقعہ پاکر اپنے قرابت داروں کو اطلاع دے دی۔ وہ لوگ آگئے اور اس کو لے جانا چاہا۔ مرد کے گھر والوں نے اپنے قرابت داروں کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے اور آپس میں سخت نزاع برپا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلاکر باہم صلح کرادی اور وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں کوئی جنگ و جدال کی صورت پیدا ہو جائے تو فوراً ان میں صلح کرادو اور اگر کسی نے زیادتی کی تو جس کی زیادتی ہو اس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے فعل سے باز آجائے اور جب باز آجائیں تو پھر انصاف و عدل کے ساتھ ان میں صلح کرادو کیونکہ مسلمان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دوسری حدیث میں ہے کہ عادل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے داہنے جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل و عیال میں اور جہاں حاکم بنائے گئے اس جگہ منصفانہ حکم کرتے ہیں (ابن کثیر از مسلم و نسائی)۔ ۱۲

آیت ۱۰ 49-10

ایک دوسرے کے بھائی ہیں جس طرح فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا

بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ مسلمان (آپس میں)

بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے

ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا کہ مظلوم کی مدد تو

ہو سکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے۔ فرمایا تمنعہ من الظلم فذاك نصرك

ایاہ یعنے اس کو ظلم سے روکو اس کی یہی مدد ہے۔ صلح کے احکام کے بعد ایسی باتوں سے

ؔ انما المومنون:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے نہ ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔

وفی الصحیح واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ یعنے خدا بندہ کا مددگار ہے جبتک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین ولک بمثلہ یعنے تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔

صحیح حدیث میں ہے المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا وشبک بین اصابعہ یعنے مسلمان مسلمانوں کے ساتھ بمنزلہ عمارت کے ہے کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت دیتا ہے اور آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمایا (ابن کثیر)

منع فرماتا ہے جن سے فساد ہوا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق امت پر بیان کرنے کے بعد مومنین کے باہمی حقوق بیان کرنے سے پہلے یہ اساسی تعلیم ہے کہ ہر مومن خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ محمود ہو یا ایاز سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس لئے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ اسی خلوص واتحاد سے پیش آنا چاہیئے اور ان کا باہمی برتاؤ بھی وہی ہونا چاہیئے جو ایک بھائی کا دوسرے بھائی سے ہوتا ہے اور یہ تعلیم اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جو اسکو دیگر مذاہب باطلہ سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسی تعلیم کا اثر تھا جس نے اوس وخزرج کے پرانے جھگڑے مٹادئے اور سارے عرب کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اسی کی بدولت عرب نے سلطنت کسریٰ کے پرخچے اڑادیئے اسی کے طفیل میں قیاصرہ نے عربوں کے آگے اپنے مغرور سر جھکا دیئے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ وہ کسی بلند سے بلند مرتبہ پر پہنچ جائے اس رشتہ کو کبھی نہ بھولے کیونکہ یہ رشتہ خدا نے قائم کیا ہے اور اس کو اپنی نعمت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ لہٰذا جو مسلمان اپنی کسی ترقی کے گھمنڈ میں اس رشتہ دینی کو بھول جائے وہ خدا کا ناشکر گزار بندہ اور خدا کے پاس روز قیامت جوابدہ ہے بلکہ عجب نہیں کہ اس ناشکر گزاری کی پاداش میں اس سے وہ دنیوی نعمت بھی

چھین لی جائے جس کے نشہ میں وہ اپنے اس رشتہ دینی کو بھول گیا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے اپنے دینی بھائی کی صلاح و فلاح کا ہر وقت طالب رہے۔ اور اپنے بھائی کی جائز اور ممکن مدد کے لئے ہر وقت تیار رہے اور اگر اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو اس کی رسوائی یا پردہ دری کرنے کی بجائے تنہائی میں خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو نرم اور پر اثر الفاظ میں نصیحت کرے اور غائب میں خدا سے اس کے لئے دعا کرے کہ خدا اس کو نیک ہدایت دے۔

آیت ۱۱ آپس میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت

11 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ
مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اے ایمان والو ایک قوم (مرد) دوسری قوم (مرد) سے تمسخر نہ کرے شاید کہ وہ ان سے

لے اللمز۔ الاغتیاب وتتبع المعاب (مفردات) اللمز۔ العیب واصلہ الاشارۃ بالعین ونحوھا (مختار) اللمز۔ عیب کردن واشارہ کردن بچشم (صراح)

لے انفسکم:۔ یعنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ کیونکہ تم سب ایک ہو نیز وہ بھی تمھیں عیب لگائینگے اور انکے عیب لگانے کے باعث چونکہ تم ہی ہو اس لئے گویا تم نے اپنے آپ کو عیب لگایا۔

لے تنابزو۔ التنابز التعایر (قاموس) یعنے ایک دوسرے کو ایسا عیب لگانا جس سے وہ ناخوش ہو بلکہ لازم ہے کہ مسلمان کو اسکے محبوب نام سے پکارے۔ ۴ لے لقب وہ نام ہے جو پہلے نام کے سوا ہوتا ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں شاید کہ یہ عورتیں ان عورتوں سے

بہتر ہوں اور تم آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے

لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد بدکاری کا نام ہی برا ہے اور جو توبہ نہ کریں تو

وہی ظالم ہیں۔ یعنے اپنے کو بہتر اور دوسرے کو حقیر سمجھکر نہ ہنسو۔ دلوں کا حال خدا ہی کو معلوم ہے کیا معلوم کہ اس دوسرے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا ہے۔ اس کا خاتمہ کیسا ہو اور تمھارا خاتمہ کس طرح ہو اس میں عورتوں کو بھی خصوصیت کے ساتھ نصیحت ہے اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ ایک دوسرے کو عیب بھی نہ لگاؤ کیونکہ جب وہ تمھارا مسلمان بھائی ہے تو اس کا عیب تمھارا عیب ہے۔ اور بُرے القاب اور بُرے ناموں سے بھی ایک دوسرے کو نہ پکارو[1] کیونکہ جب کوئی شخص مسلمان ہوگیا اور

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اس میں معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے بخلاف اعلام کے۔ اور لقب کی دو قسم ہیں۔ ایک بطور تعظیم و تکریم کے جیسے بادشاہوں کے القاب اور دوسرا بطور عیب کے اور اس فرمان خداوندی میں یہی مراد ہے (مفردات)

شے یہاں اسم سے مراد ذکر کی شہرت ہے۔ اسم سمو سے مشتق ہے جیسے کہتے ہیں لفلانٍ اسمٌ یعنے اس کا شہرہ ہے نہ کہ وہ اصطلاحی اسم جو کنیت و لقب کے مقابل ہے۔ (خفاجی) ۱۲

[1] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ ایک ایک شخص کے دو دو تین تین نام ہیں اور جب اُسے ان ناموں سے پکارا جاتا تو بعض نام سے وہ ناخوش ہوتا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر از امام احمد و ابو داؤد)

مقاتل بن حبان و مجاہد و قتادہ و سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ تم میں سے کوئی باہم ایک

نورِ ایمان سے منوّر ہوگیا تو وہ سب بُرائیوں سے پاک ہوگیا۔ پھر اسکو بُرے ناموں
سے مشہور کرنا اور اسکی پچھلی برائیوں سے اسکو مطعون کرنا کیا معنے؟ یہ سب بری بات
ہے اگر تم نے ایسا کیا ہے تو توبہ کرو ورنہ تمھارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ مسلمانوں کے
ساتھ افعال و اقوال ظاہری کا احتیاط ہی کافی نہیں بلکہ بدگمانی اور غیبت وغیرہ ۱۲ بدگمانی اور غیبت کی ممانعت
سے بھی بچو جس طرح ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ
اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ
اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ 12
اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچتے رہو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔
اور نہ تجسس کرو اور (کوئی) ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی (یہ)
پسند کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اس سے نفرت

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دوسرے پر طعنہ نہ کریں۔ (ابن کثیر)
ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی زبان پر امتحان ہے۔ میں تو اس قدر ڈرتا ہوں کہ اگر
کسی کتے سے مسخر کروں ایسا نہو کہ کتا بنا دیا جاؤں۔ (فتح البیان)
عطاؒ نے فرمایا کہ ہر ایسا لفظ برے لقب کی قسم سے ہے جو بھائی مسلمان کی شان اسلام کے خلاف ہو جیسے گدھا۔ کتا۔ خبیث۔
ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی زمانہ میں برائیاں کرتا تھا اور پھر اس نے توبہ کی اور راہ راست پر آگیا تو
اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ اسکے اگلے گناہوں کو یاد دلاکر اس کو شرم نہ دلائی جائے + ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر
کوئی شخص کسی دین باطل پر تھا اور پھر وہ مسلمان ہوگیا تو کسی شخص کو جائز نہیں کہ اسے دین باطل سے عار دلائے۔ ۱۲

کرتے ہو (اسی طرح غیبت سے بھی نفرت کرو) اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

غیبت کو مردار گوشت کھانے سے تشبیہ دی یعنے جس طرح اسے برا سمجھتے ہو اسے بھی برا سمجھو۔ غیبت بالاجماع حرام ہے۔ ہاں جو کسی وقت مصلحت سے ہو جیسے جرح۔ تعدیل و نصیحت[1] یا شادی بیاہ وغیرہ تو ایسے وقت جائز ہے۔ بدگمانی۔ تلاش عیوب (عیب جوئی) و غیبت حقوق عباد ہیں ان سے معافی چاہ کے توبہ کریں اور جو معافی ممکن نہ ہو یا خلاف مصلحت ہو مثلاً اسکے اظہار سے اس کو دکھ اور رنج پہونچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے اجمالی معافی چاہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ ان مظلوموں کو راضی فرما کر تمھاری توبہ قبول کرے اور تم پر رحم فرمائے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ كَفَّارَةُ الْغِيبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ یعنے غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے (بیہقی بسند ضعیف درمنثور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ جب

---

[1] ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۸۴ - ۱۲

اس کے بھائی مومن کی زبان سے کوئی کلمہ نکلے تو کبھی بدگمانی نہ کرے۔ اور اسکے عمدہ معنے پیدا کرے (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف فرماتے اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ تو کس قدر پاکیزہ ہے۔ اور تیری خوشبو کس قدر عجیب ہے۔ تو کس قدر معظم اور تیرا احترام کتنا بڑا ہے وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَحُرْمَۃُ الْمُؤْمِنَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللہِ تعالیٰ حرمتہ منك مالہ ودمہ وان یظن بہ الاخیراً اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندۂ مومن کی جان ومال کی حرمت تجھ سے بہت زیادہ ہے اور یہ کہ اس کی نسبت نیک گمان ہی کیا جائے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار اے لوگو تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور عیب جوئی و نکتہ چینی نہ کرو اور نفیس چیزوں کو حاصل کرکے ایک دوسرے پر فخر نہ کرو باہم حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بنے رہو۔

چونکہ ان رذائل کا منشاء تکبر اور سب سے زیادہ فخر نسب ہے اس لئے اس کے

متعلق خاص نصیحت فرمائی کہ تم سب آدمؑ و حوّاؑ کی اولاد ہو اس لئے باہم ایک دوسرے پر بڑھائی جتانا چھوڑو کیونکہ اس سے آپس میں منافرت پیدا ہوتی ہے جو باہمی اتحاد و اخوت کے منافی ہے اور یہ خیال رکھو کہ بغیر عمل کے محض نسل و خاندان کوئی چیز نہیں اس لئے استخواں فروشی سے آپس میں بغض و عناد پیدا کرنے کی بجائے خدا کے پاس عزت حاصل کرنے کی کوشش کرو اور یہ مرتبہ تم کو تقویٰ سے حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا تقویٰ کی فضیلت بیان فرماتا ہے کہ

تقویٰ ہی حقیقی معیارِ فضیلت ہے

-13 آیت ۱۳ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ اے لوگو بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے پاس تم میں بڑا بزرگ تم میں کا بڑا پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انساب[1] و اموال پر فخر کرنے اور

---

[1] ہر شئے میں جو فضیلت ہوتی ہے وہ بعد وجود کسی کام سے ہوتی ہے یا قبل وجود ہی اس میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے۔ جو قبل وجود ہے اس کا مرجع قابل ہوگا یا فاعل ہوگا جس طرح کہتے ہیں کہ یہ لوہے سے ہے یہ چاندی سے ہے اور یہ فلانے کا کام ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بحسب اصل کسی قابل کو فضیلت نہیں کیونکہ تم سب آدمؑ اور حوّاؑ یا باپ ماں سے پیدا ہوئے ہو اور نہ بلحاظ فاعل فضیلت ہو سکتی ہے

فقراء اور متقیوں کو حقیر سمجھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ دنیوی شان وشوکت کی کوئی قیمت نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہی بزرگ ہے جو متقی ہے۔

اس آیت کریمہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ فتح مکّہ کے روز جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ شریف پر چڑھ کر اذاں کہی تو بعض لوگوں نے کہا ھذا العبد الاسود یوذن علی ظھر الکعبہ یعنے یہ کالا غلام کعبہ پر چڑھ کر اذاں دیتا ہے۔ بعض نے کہا ان یسخط اللہ ھذا یغیرہ یعنے اگر خدا اس پر غضبناک ہو تو اس کو مسخ کردے۔ ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ عالم سے جب استفسار کیا گیا کہ کون سے آدمی بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا اکرمھم عند اللہ اتقاھم یعنے خدا کے پاس بزرگ ترین وہ ہیں جو ان میں زیادہ متقی ہیں۔ دوسری روایت ابوہریرہؓ سے اس طرح وارد ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا اِنَّ اللہ لا ینظر الیٰ صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِن یَنظر الیٰ قلوبکم وَاعمالکم یعنے اللہ تعالےٰ تمھاری صورتیں اور تمھارے اموال نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے قلوب اور تمھارے اعمال

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ تم سب کا خالق خدائے تعالیٰ ہے۔ اب جو تفاوت ہے تو امور لاحقہ سے ہے۔ اور ان سب میں لائق تمیز تقویٰ ہے۔ اس لئے مناصب دینی پر حکام متقی و عالم کو مقرر کرنا چاہیئے۔ ۱۲

ملاحظہ فرماتا ہے ۔ (ابن کثیر از مسلم و ابن ماجہ)

حبیب بن خراش العنصری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ اِخْوَۃٌ لَا فَضْلَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا بِالتَّقْوٰی یعنے مسلمان باہم بھائی ہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں مگر تقوی سے ۔ (ابن کثیر از طبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اپنے ناقہ قصوی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگو ! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور آباؤ اجداد کا فخر دور کر دیا ۔ اب دو ہی قسم کے لوگ ہیں پرہیزگار[1] جو اللہ تعالیٰ کے پاس مکرم ہیں ۔ بدکار[2] جو اللہ تعالےٰ کے پاس ذلیل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى الاٰیۃ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اب اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہوں ۔ (ابن کثیر از ابن ابی حاتم و عبد بن حمید از ابی عاصم مختصرًا)

متقیوں کی بزرگی بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالےٰ ضعیف ایمان والوں کی سرزنش فرماتا ہے ۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ

اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ گنواروں نے کہا کہ ہم ایمان لائے آپ (ان سے)

کہدیجے کہ تم (درحقیقت) ایمان نہیں لائے مگر تم لوگ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ اور

ابھی تک تمھارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا اگر تم اللہ کی اور اس کے رسول کی

(دل سے) اطاعت کروگے تو اللہ تمھارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریگا بیشک

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لہ ایمان اسلام سے خاص ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے اس پر دلیل ہے حدیث جبریل علیہ السلام کہ آپنے پہلے اسلام کے متعلق سوال کیا پھر ایمان کے متعلق پوچھا اور پھر احسان کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا یعنے حضرت جبریل نے عام سے خاص کی طرف اور پھر خاص سے اخص کی طرف رجوع کیا (ابن کثیر)

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص سے اس بارے میں جو روایت وارد ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کو کچھ تقسیم فرمایا سوائے ایک شخص کے کہ اسکو کچھ بھی نہ دیا۔ سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اعطیت فلانًا وفلانًا ولم تعط فلانًا شیئًا وھو مومن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اومسلم یعنے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپنے فلاں فلاں کو تو سرفراز فرمایا اور فلاں کو کچھ بھی نہ دیا حالانکہ وہ مومن ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا مسلمان ہے سعدؓ نے تین بار اسی طرح عرض کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہر معروضہ پر "اومسلم" ارشاد فرمایا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لاعطی رجالًا وادع من ھو احب الی منھم فلم اعطیہ شیئًا مخافۃ ان یکبوا فی النار علی وجوھھم تو اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن اور مسلم میں فرق فرمایا (ابن کثیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الاسلام علانیۃ والایمان فی القلب ثم یشیر بیدہ الی صدرہ ثلاث مرات ویقول التقوی ھھنا یعنے اسلام تو ظاہر ہے ایمان قلب میں ہے پھر حضور انور نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین بار دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا تقوی یہاں ہے

اسکے علاوہ ابن عباسؓ۔ ابراہیم نخعی و قتادہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہے (ابن کثیر)

اور امام بخاری کا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ منافقین تھے اور اپنے کو مومن ظاہر کرتے تھے۔ (ابن کثیر) عبداللہ ابن حمید و ابن منذر نے داؤد ابن منذر سے روایت کی کہ جب آپسے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی پھر فرمایا کہ الاسلام الاقرار والایمان التصدیق یعنے اسلام تو اقرار ہے اور ایمان اسکی تصدیق (درمنثور) امام زہری نے فرمایا ان الاسلام الکلمۃ والایمان العمل یعنے اسلام اقرار ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت شریف کی شان نزول کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ آیت تمام عرب پر شامل نہیں ہے۔ کیونکہ اعراب میں سے وہ لوگ بھی تو ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے ہیں البتہ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ والوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اسلام لانے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلاتے ہوئے کہا تھا کہ "اسلمنا ولم نقاتلك كما قاتلك بنو فلانٍ" یعنے انہوں نے کہا کہ ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ سے مثل فلاں قبیلے کے جنگ وجدال نہ کیا۔

دوسری روایت ابن جریر نے قتادہؓ سے اس طرح کی ہے "قال نزلت فی بنی اسد" یعنے یہ آیت کریمہ قبیلہ بنی اسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی اسد کے لوگوں نے حاضر دربار رسالت ہو کر کہا کہ ہم ایمان لا چکے چونکہ ان کے قلوب میں اب تک ایمان کی حقیقی برکت جلوہ گر نہ ہوئی تھی اس لئے ارشاد رب جلیل ہوا کہ بجائے "آمنا" کہنے کے "اسلمنا" کہا کرو۔

یہ یاد رہے کہ ایمان دل سے علاقہ رکھتا ہے اور اسلام افعال ظاہر سے۔ ایک شخص مسلمان کی سی وضع رکھتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے تو شرعاً اس کو مسلمان کہیں گے۔ کیونکہ شرع کا حکم ظاہر

مبنی ہے۔ اسی طرح بنی اسد کی جماعت نے بھی خود کو مسلمان بنا رکھا تھا تاکہ مالِ
غنیمت میں حصہ ملے۔ اور جہاد کے موقعہ پر جان کی سلامتی ہو۔ اور قید ہونے سے
نجات ملے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انھیں تنبیہ فرمائی اور ان کے ایمان کی قلعی
کھول دی اور انہیں بتلا دیا کہ پانی اور دودھ یکساں نہیں۔ پانی پانی ہے اور
دودھ دودھ گلٹ سونا نہیں سونا گلٹ نہیں۔

ان کمزور ایمان والوں کی تنبیہ کے بعد جو سچے اور پکے مسلمان ہیں انکا
حال بیان فرماتا ہے آیت ۱۵ مومن کی تعریف

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا
15 بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ مومن وہی
لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسُول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے
مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اور جو ظاہر داری کرتے ہیں اور ان کے دل میں ایمان نہیں گو زبانی جمع خرچ
بہت کچھ ہے ان سے بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جس طرح ارشاد ہے آیت ۱۶

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
16 وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتاتے ہو حالانکہ اللہ جانتا ہے

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یعنے اللہ تعالےٰ کے سامنے اپنے عقیدہ کا کیا اظہار کرتے ہو وہ تو تمام آسمانوں اور زمین کی باتیں جانتا ہے اس سے کونسی بات پوشیدہ ہے یہ سب تمہاری کمزوری ایمان کی باتیں ہیں جب ہی تو تم اپنے اسلام کا احسان جتاتے ہو جس طرح ارشاد ہے

-17 رکوع ۱۷ آیت

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(اے نبی) یہ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لائے کہو کہ تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم (دعویٰ ایمان میں) سچے (بھی) ہو۔

یعنے اگر تم اپنے دعوی ایمان میں صادق بھی ہو تو اپنے ایمان و اسلام کا احسان رسول کو نہ جتاؤ کیونکہ وہ اس سے مستغنی ہیں بلکہ اس خدائے ذوالجلال کا احسان ہے جس نے تمہیں ہدایت دی تم خواہ سچے ہو یا جھوٹے بہرحال یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کے سامنے ہے جس طرح ارشاد ہے

۱۸ آیت

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

(حاشیہ: ہدایتِ اسلام، احسان خدا وندی)

بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب (کی باتوں) کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اس لئے تمہیں چاہیئے کہ ہمیشہ ڈرتے رہو۔ ریا سے بچو جو کرو خالص اسی کے لئے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی سے تجاوز نہ کرو اللہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مانو کہ آپ ہی نے راہِ راست بتائی۔ اشاعتِ اسلام کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں اور تمہیں خدا کے راستہ پر لگایا۔ وصلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ق

۵۰ - سورہ ق

یہ سورہ مکی ہے۔ اس میں پینتالیس (۴۵) آیتیں۔ تین سو پچہتر (۳۷۵) کلمات اور ایک ہزار (۱۴۷۷) چار سو ستہتر حروف ہیں (تفسیر نیشاپوری)

فضائل سورہ ق

مسلم وغیرہ نے قطبہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھتے تھے۔ ابی واقد الیثی سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین میں "قاف" اور "اقتربت" پڑھتے تھے۔ اس روایت کو ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؒ اور اہل سنن نے بھی بیان کیا ہے۔ امام ہشامؓ بنت حارثہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سورۃ کو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر یاد کیا ہے آپؐ جمعہ کو جب خطبہ دیتے تو اس سورہ کو منبر پر پڑھا کرتے تھے۔ اس کو ابن ابی شیبہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

50-1 قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ
50-2 هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○ قسم ہے قرآن مجید 50-3

کی (آپ خدا کے رسول ہیں مگر وہ اس پر غور نہیں کرتے) بلکہ ان کو (سخت) حیرت ہے کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ تو کافر کہنے لگے یہ عجیب بات ہے۔ کیا ہم جب مر جائیں اور مٹی ہو جائیں (تو اس کے بعد پھر اٹھنا ہوگا) یہ پھر آنا (یعنے حیات بعد الممات عقل سے) دور ہے۔

قٓ۔ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ واحدی کہتے ہیں یہ حروف تہجی میں سے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کوہ قاف ہے جو دنیا کو محیط ہے۔ قراء کہتے ہیں کہ یہ قاف جب حرف تہجی نہیں بلکہ اسم ہے تو اس کا اعراب ظاہر کرنا واجب ہے۔ قراء اور زجاج اور بعض لوگوں نے اس کے یہ معنیٰ لئے ہیں کہ قضی الامر وقضی ما ہو کائن

یعنے بات پوری ہوگئی اور جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ فاتحۃ السورۃ یعنے آغاز سورہ ہے۔ ابوبکر دراق کہتے ہیں کہ ق کے معنی قف عند امرنا ونہینا ولا تعدہما۔ یعنے اپنے سارے اعمال کا منتہیٰ ہمارے امرونہی کو قرار دو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ انطاکی کہتے ہیں کہ یہ قاف اس قرب کو ظاہر کرتا ہے جو خدا کا اپنے بندوں سے ہے جس کی تفصیل نحن واقرب الیہ من حبل الورید ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ اللہ عز وجل کے اسم کا آغاز ہے یعنے قادر۔ قاہر۔ قریب۔ قابض قاض۔ وغیرہ۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی انہیں متشابہات میں سے ایک ہے جن کے معنی حضور شارع علیہ السلام نے بیان نہیں فرمائے

ق کی تفسیر میں حافظ ابن جریرؒ نے تین روایتیں بیان کی ہیں۔

(۱) منجملہ اسماء الٰہی کے یہ بھی ایک نام ہے۔

(۲) قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔

(۳) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔

مگر حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ق بھی ان حروف ہجا میں سے ایک حرف ہے

جو سورتوں کے اول بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے ص۔ ن۔ الم۔ حم۔
طس۔ وغیرہ۔ مگر بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ق سے مراد ایک پہاڑ ہے جو
ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے جس کا نام کوہ قاف ہے۔ اور خدا بہتر جانتا ہے
کہ یہ سب بنی اسرائیل کی ان روایتوں میں سے ہے جن کو بعض لوگوں نے اس لئے
بیان کر دیا ہے کہ ان کے خیال میں جس روایت کی تصدیق و تکذیب دونوں موجود
نہوں اس کا روایت کر دینا ان کے پاس جائز ہے۔ مگر میرے (یعنے حافظ ابن کثیرؒ
کے) نزدیک یہ اور اسی قبیل کی روایتیں بنی اسرائیل کے بعض زندیقوں کی جھوٹی
باتیں ہیں جو اس لئے تراشی گئی ہیں کہ لوگوں کو دینی امور میں التباس پیدا کیا جائے
جیسے اس امت میں باوجود جلیل القدر علماء اور حفاظ کی موجودگی کے لوگوں نے
جھوٹی حدیثیں گھڑیں اور افترا پردازیاں کیں۔ حالانکہ اس عہد مبارک زیادہ
عرصہ نہیں گذرا تھا تو پھر بنی اسرائیل سے کیا توقع ہوسکتی ہے جس کو ایک عرصہ دراز
گذر چکا اور ان میں حفاظ و ناقدین بھی کم ہیں اور وہ شراب خواری میں مبتلا ہو گئے۔
اور خود ان کے علماء نے بھی کلمات کی ایک جگہ سے دوسری جگہ تحریف کر دی اور
اللہ کی کتابوں اور آیتوں کو بدل دیا۔ اگرچہ شارع علیہ السّلام نے ان سے روایت
کو مباح قرار دیا ہے اور آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ "حدثوا عن بنی اسرائیل" یعنے

روایات بنی اسرائیل کس صورت میں قابل قبول ہیں

بنی اسرائیل سے روایت کرو۔ مگر ایسی روایتیں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن کو عقل جائز رکھے۔ لیکن جو روایتیں عقلاً محال اور باطل معلوم ہوتی ہوں اور ان کے جھوٹ ہونے کا گمان غالب ہو وہ اس قبیل میں داخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

اکثر بڑے بڑے مفسرین اور بہت سے متاخرین نے بھی اہلِ کتاب کی حکایتوں کو قرآنِ مجید کی تفسیر میں لکھدیا ہے۔ حالانکہ ان آیات کے سمجھنے کے لئے خدا کے فضل سے ان کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حیرت ہے کہ امام ابومحمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم رازیؒ نے بھی یہاں ایک غریب اثر کو بیان کیا ہے جو منقطع ہے اور اس کی سند ابن عباس تک صحیح نہیں بلکہ علی ابن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے قٓ کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ قٓ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور مجاہدؒ سے ثابت ہوا ہیکہ یہ حروف ہجا میں سے ایک حرف ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ص۔ ن۔ طس۔ الم۔ اور اسی طرح کے دوسرے مقطعات یہ روایت اس سے بہت دور ہے جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرکے بیان کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی قسموں کا بیان

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ قسم ہے قرآنِ مجید کی۔ قرآنِ حکیم میں اس کے علاوہ اور مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی قسمیں مذکور ہیں۔ جو لوگ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اسلوب بیان سے ناواقف ہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کو بھلا

قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ کوئی دعویٰ یا خبر جب کسی کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو اس کے متعلق مخاطب کی تین حالتیں ہوں گی یا تو وہ اس سے خالی الذہن ہوگا یا اس کے متعلق متردد ہوگا یا اس کا منکر ہوگا جیسے کسی کو یہ بتانا ہے کہ زید عالم ہے۔ اب اگر مخاطب کا ذہن اس کے متعلق پہلے سے خالی ہے تو اس کو صرف یہ کہا جائے گا کہ زیدٌ عالمٌ کہ زید عالم ہے۔ اور اگر مخاطب کو زید کے علم کی نسبت تردد ہے تو اس سے یوں کہا جائے گا کہ ان زیدًا عالم یعنے بے شک زید عالم ہے۔ اور اگر مخاطب کو زید کے عالم ہونے سے انکار ہے تو اس صورت میں کلام موکد بالقسم ہوگا یعنے یوں کہا جائے گا واللہ زیدٌ عالمٌ خدا کی قسم زید عالم ہے کیونکہ کلام بلیغ میں اقتضائے حال کی رعایت ضروری ہے۔ دوسرے دعویٰ کے ثبوت کے بھی دو ہی طریقے ہیں گواہ یا قسم۔ قرآنِ مجید میں جن امور کی بشارت دی گئی ہے یا جن چیزوں سے ڈرایا گیا ہے ان کے ثبوت کے لئے اُس حکیم مطلق نے بھی یہی دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ کہیں مناظر و مظاہر قدرت کی شہادت پیش کی گئی ہے جو زبانِ حال سے اُس خلاق عالم کے کمال حکمت و قدرت کی گواہی دیرہے ہیں اور کہیں اس مالکِ حقیقی نے قسم سے اپنی حجت تمام کی ہے۔ اگر مخاطب ضد و عناد سے کام نہ لے اور ٹھنڈے دل سے اس چیز پر نظر ڈالے جس کی قسم کھائی گئی ہے تو

اس کا ضمیر خود اس کی تصدیق کرے گا جیسے یہاں قرآنِ مجید کی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم یعنے آپ خدا کے رسول ہیں محذوف ہے، اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کو عربی اور اس کی بلاغت کے تو اعد پیشِ نظر رکھ کر ٹھنڈے دِل سے پڑھے تو اس کا اعجاز اس طرح ظاہر ہوگا جس طرح روز روشن میں آفتاب دکھائی دیتا ہے اور ایک حق گو کی طرح وہ بھی پکار اُٹھے گا کہ " ماھذا کلام البشر" پھر یہ کلام الٰہی جس پر نازل ہوا اس کے رسول ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جس پر خدا کا کلام نازل ہو اور وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے مبعوث ہو بس وہی خدا کا سچّا رسول ہے۔ اس کے بعد کفار مکہ کی دو باتیں بیان کی گئی ہیں بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ۔ بلکہ اُن کو سخت حیرت ہے کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا تو کافر کہنے لگے یہ عجیب بات ہے کیا ہم جب مرجائیں اور مٹی ہوجائیں تو اس کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے جانا ہوگا؟ یہ بات عقل سے دُور ہے۔ جن سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ شدت انکار اس حد تک پہونچ گئی کہ ان کو ان دو باتوں پر تعجب ہوتا ہے

(۱) ایک تو انہیں میں سے رسول کا مبعوث ہونا اور ان کو آخرت کے عذاب سے

رسول کے انسان ہونے کی تعجب

ڈرانا یعنے رسول کا انسان ہونا۔

(۲) دوسرے مرنے کے بعد پھر زندہ ہوکر خدا کے سامنے اپنے عقاید و اعمال کی جواب دہی اور جزا و سزاء آخرت کا پانا یعنے حیات بعد الموت بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اصل آیات کی تفسیر سے پہلے ان دونوں باتوں پر ایک اجمالی اور سرسری نظر ڈال لیں تو آئندہ تفسیر سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں مذہب کے اساسی اموریں سے ہیں۔ مگر دوسری بات پہلے سمجھ لیں تو پہلی بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ لیکن حیات بعد الموت کے سمجھنے کے لئے پہلے ہم کو حیات پر غور کرنا چاہیے کہ حیات کیا چیز ہے۔ نفس یا روح کے بدن سے متعلق ہوجانے کو حیات کہتے ہیں اور اور اس تعلق کے انقطاع کا نام موت ہے۔ مگر انقطاع تعلق سے نفس یا روح کا فنا ہوجانا تو لازم نہیں آتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو سب میں مشترک ہے جس پر تقریباً تمام مذاہب سے متفق ہیں۔ فلاسفہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نفس ناطقہ بدن انسانی متعلق ہوکر ادراک اور بدن میں تصرف و تدبر کرتا ہے جزئیات کا ادراک حواس کے ذریعہ اور کلیات کا بلا واسطہ حواس کے۔ اور بدن سے انقطاع تعلق کے بعد بھی نفس باقی رہتا اور یہ بلحاظ علم و عمل لذت و الم پاتا ہے اس مسئلہ کو حل کرنے کا آسان ین

طریقہ وجدان ہے۔ یعنے ہر شخص چند خاص خاص چیزوں کی اضافت اپنی طرف کرتا ہے جیسے میری کتاب۔ میرا گھر۔ میری بی بی۔ میرے بچے یا کم از کم میرا جسم کہتا ہے اور اس ''جسم'' میں سر کے بال سے لیکر پاؤں کے ناخن تک تمام اعضاء اور اجزاء داخل ہوتے ہیں اور یہ اضافت درست اور ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ یہ اضافت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہی شخص جب مرجاتا ہے تو نہ صرف دوسری چیزیں بلکہ اس کے مردہ جسم کو بھی اس کی طرف منسوب کرکے اس کی نعش یا میت کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ''میں'' کیا چیز ہے جس کی طرف یہ اضافت ہو رہی ہے۔ کیونکہ صحت اضافت کے لئے مضاف اور مضاف الیہ میں ایک گونہ تغایر ضروری ہے۔ پس اگر اس ''میں'' پر غور کرو تو وجدان ہی گواہی دے گا اور خود بخود یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ ''میں'' اس حیات دنیوی کی قید سے پہلے بھی کہیں موجود تھا اور اس قید حیات سے چھوٹنے کے بعد بھی کہیں موجود ہے۔ خصوصاً ارباب طریقت طالب صادق کے لئے تصفیہ قلب کے بعد عبادت ذکری کی ابتدا اگر اس نقطہ سے شروع کریں اور خدا کا فضل شامل حال ہو تو اس تعین کے پردے میں سے اطلاق کی جھلک نظر آئے گی اور اس مقید کا ادراک و انکشاف شہود مطلق کا ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہوگا۔ اور اہل نظر کے اس کلیہ کی کہ ''کوئی مقید بغیر مطلق کے نہیں پایا جاتا''

ایسی تصدیق حاصل ہوگی جس کو کوئی اور دلیل متزلزل نہ کر سکے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ اسی کو ایک عارف کامل اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان فرماتے ہیں

وطن اتنی سمجھ بھی گر کسی کو ہو تو کافی ہے
کدھر سے ہیں کدھر آیا کدھر اب مجھکو جانا ہے

آمدم برسرِ مطلب۔ وجدان کے علاوہ تمام اہلِ مذاہب اور فلاسفہ سب کا اتفاق ہے کہ انسان رُوح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور مَرنے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے البتہ مذہب جس کو روح کہتا ہے فلاسفہ اس کو نفس ناطقہ سے تعبیر کرتے ہیں جب اس جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی رُوح باقی رہتی ہے تو پھر جسم کے گل جانے اور خاک ہو جانے سے نفس یا روح کے وجود کو کیا نقصان پہونچ سکتا ہے۔

رہا جسم تو وہ بھی محض معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی شکلیں بدلتی جاتی ہیں جس طرح لکڑی جلتی ہے تو کوئلہ ہو جاتی ہے اور کوئلہ جل کر راکھ بن جاتا ہے مگر ان سب صورتوں میں لکڑی فنا نہیں ہوئی بلکہ اس کی شکلیں بدلتی گئیں۔ اسی طرح جسم بھی اگر ایک صورت سے دوسری صورت بدلتا جائے تو اس سے اجسام کا اعادہ ناممکن یا عجیب کیونکر ہوا۔ جس خدا نے اس جسم کو اس وقت پیدا کیا جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا تو اس ذات پاک کے لئے پھر اسی جسم کو دوبارہ لوٹانے اور پیدا کرنے میں

کونسا امر مانع ہے۔ اس کے لئے صرف علم وقدرت کی ضرورت ہے لہٰذا وہ اپنے
علم اور قدرت سے جب چاہے اور جس حالت وصورت میں چاہے دوبارہ موجود
کردے گا۔ اس واسطے قرآن حکیم میں جب اس قسم کے سوالات بیان کئے جاتے
ہیں تو وہاں جواباً انہیں دونوں باتوں پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ حضرت قبلہ رح
نے بھی سورہ یٰسین کی آخری آیات کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کے لئے
علم وقدرت کی ضرورت ہے۔ مگر کفار مکہ خدا کے علم وقدرت پر غور کرنے کے بجائے
اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں چونکہ ان کا علم اور قدرت اس سے عاجز ہے اس لئے
وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے مگر یہ طریقۂ فکر ہی سراسر غلط ہے کیونکہ ایک جاہل
اگر خود لکھ پڑھ نہیں سکتا تو اس کو کسی عالم کی تصنیف سے انکار کرنے کا حق نہیں
پیدا ہو جاتا۔ ایک کمزور انسان اگر قوت کا کوئی کام نہیں کرسکتا تو اس کو ایک
شہزور کے کارناموں سے انکار کرنے کا حق نہیں حاصل ہوجاتا۔

لہٰذا جو شخص اپنے علم وعقل کی حد تک کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالے
اور غور کرے تو اس کو خدا کے وجود اور اس کے علم وقدرت کے متعلق شک و
شبہ ہونے کی بجائے خود کفار مکہ کی اس بے عقلی پر حیرت ہوگی کہ اتنی صاف اور
سیدھی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اس پر حیران ہوئے کہ خاک اور مٹی

ہو جائیں گے تو پھر زندہ کیسے ہوں گے حالانکہ جب کچھ بھی نہ تھے اس وقت اس نے پیدا کیا تھا تو پھر اس کے بعد بھی وہ پیدا کر سکتا ہے اور اگر وہ پہلے ایسا کر چکا ہے اور یقیناً ایسا کر چکا ہے تو وہ آئندہ بھی ایسا کر سکتا ہے یہ کوئی چیستان نہیں ہے بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ وہ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کا مشاہدہ ہے کہ اکثر کائنات میں یہی عمل جاری ہے کہ ایک چیز جاتی ہے تو اس کا پھر اعادہ بھی ہوتا ہے زمین کا اپنی موت بعد زندہ ہونا نباتات درختوں اور پھلوں کا نکالنا یہ سب چیزیں ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں پھر ان کو مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر کیسے تعجب ہوتا ہے۔

جو جواہر اور ذرات عدم سے وجود میں آتے ہیں ان کے اعیان معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کی شہودی اور برزخی صورتیں بدلتی جاتی ہیں۔ اور اس اختلاف صور کا سبب وہ مزاج یعنے اعراض ہیں جو ان اعیان کو عارض ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی عزیز و علیم کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ لہٰذا ان صورتوں میں قبول ارواح کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جیسے گھاس میں آگ یعنے اشتعال قبول کرنے کی استعداد ہے اسی طرح صور برزخی ان چراغوں کے مانند ہیں جو ارواح سے روشن ہوتے ہیں لہٰذا

اسرافیل کے ایک نفخ کا اثر ان برزخی صورتوں تک پہونچے گا تو ان کو بجھا دے گا اور دوسرے نفخ کا اثر جو پہلے نفخ کے بعد ہی ہوگا ان میں روشن ہونے کی صلاحیت پیدا کردے گا۔ اور یہی نشاۃ ثانیہ ہے لہٰذا یہ اپنے اپنے ارواح سے روشن ہوکر کھڑے ہوجائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیؐ امین کے طفیل میں ہم کو اس روز امن سے اُٹھائے۔ (روح البیان)

دوسری چیز فلاسفہ اور اہلِ مذاہب میں مشترک یہ ہے کہ علم اور عمل کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے جزاء وسزا بھی ہوتی ہے گو ثواب وعذاب کی حقیقت میں اختلاف ہے کوئی جزاء وسزاء روحانی کا قائل ہے کوئی تناسخ کا۔ بہرحال روح یا نفس کا باقی رہنا اور محتاج نجات ہونا سب کا مسلّمہ ہے۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ نجات حاصل بھی ہوسکتی ہے یا نہیں بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ نجات حاصل ہی نہیں ہوسکتی بلکہ نجات کے لئے کفارہ کی ضرورت ہے یعنے گناہ گاروں کی نجات کے لئے ایک معصوم وبے گناہ ہستی کو زبردستی قتل کردیا گیا اور اس بے گناہ کے قتل کو گناہ گاروں کی نجات کا کفارہ بنادیا گیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی عقلِ سلیم قبول نہیں کرسکتی اور نہ کوئی انصاف اس کو گوارہ کرسکتا ہے۔ اس لئے اگر اس سے قطع نظر کرلیا جائے تو نجات کا راستہ معلوم کرنے کے عقلاً

صرف حسب ذیل طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہر انسان اپنی کوشش سے نجات کا راستہ معلوم کرلے۔ لیکن ہر انسان اگر اس کمال تک پہونچ سکتا تو شاید دنیا کے ہر علم وفن میں فرقِ مراتب بلکہ بدی کا وجود ہی نہ ہوتا جب یہ صورت بھی ناقابلِ قبول ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ

(۲) نجات کا راستہ خدا ہی کی طرف سے بتایا جاتا ہے جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) خدا خود مرتبہ الوہیت سے اس عالم ناسوت میں تنزل فرمائے اور وہ غیر محدود ہستی مادی شکل وصورت میں جلوہ گر ہو کر اپنے اقوال وارشاد سے اور اپنے افعال وکردار سے اپنی مخلوق کی ہدایت کرے مگر کیا ایسی چلتی پھرتی۔ کھاتی پیتی اور سوتی جاگتی ہستی کو خدا ماننے کے لئے کوئی فطرت سلیم اور عقل صحیح تیار رہے؟

(۲) خدا اپنی مخلوق میں سے کسی نوری یا ناری مخلوق یعنے کسی فرشتہ یا جن کو انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمادے۔ یا کسی بڑے طاقت ور اور گرانڈیل جانور کو جیسے ہاتھی کھڑا ہو کر چنگھاڑنے لگے یا کوئی خوفناک درندہ جیسے شیر ڈھارنے لگے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے مامور ہیں اگر تم ٹھیک راستہ پر نہ چلو گے تو ہم تمہیں کچل ڈالیں گے یا تمہارے پرزے اڑادیں گے۔

منطقی گہرائیوں میں جانے کی ضرورت نہیں صرف اپنی فطری سمجھ اور عقل عام ہی سے

کام لو تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب باتیں ناقابلِ قبول ہیں کیونکہ ہادی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود اپنی تعلیم کا عملی نمونہ بھی ہو۔ اور یہ اس کی صداقت کا ایک خاص نشان ہے۔ لہٰذا جو ہماری جنس سے نہیں خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا جن۔ کوئی ہیبتناک جانور ہو یا خوفناک درندہ بہرصورت وہ ہمارے لئے صحیح نمونہ عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہماری فطری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ یا تو خدا ہی کر سکتا ہے جو ہمارا خالق و رب ہے اور جس نے ہم میں یہ صلاحیتیں ودیعت رکھی ہیں اور ہم کو ان کا امین بنایا ہے یا پھر ایک انسان ہی ان صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے لہٰذا ہمارے لئے صحیح نمونہ عمل وہی ہو سکتا ہے جو خود ہماری ہی جنس اور ہماری ہی نوع کا ایک فرد کامل ہو۔ اب عقل سلیم کے آگے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ۔

(۳) انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی بھیجا جانا چاہیئے۔

اگر انسان ضد و عناد سے اپنے دل کو خالی کر لے اور عقلِ سلیم سے کام لے تو یہ دونوں نہایت صاف اور کھلی ہوئی حقیقتیں ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے اور یہ ساری کائنات اُس خلّاق عالم نے اپنی قدرت اور حکمت سے پیدا کی ہے۔ اور انسان جو بظاہر ایک کمزور اور مجبور ہستی دکھائی دیتا ہے اس میں ایسی ایسی صلاحیتیں ودیعت رکھی ہیں جن کی بدولت یہ اس کائنات میں اپنے علم و عقل اور قدرت کے

لحاظ سے تصرف کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر اس تصرف کے وقت اس کو یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اس کائنات بلکہ خود اپنی ذات کا بھی حقیقی مالک نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی کے آگے وہ محض ایک امانت دار اور ان تصرفات کا ذمہ دار و جواب دہ ہے۔ جس کے لئے اس مالکِ حقیقی نے اپنے کرم و عنایت سے اپنے برگزیدہ بندے اور رسولؐ کے ذریعہ ایک مکمل قانون بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جو کچھ کرے اس کی روشنی میں کرے۔ کیونکہ عقل و خرد کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد انسان ایک ذمہ دارانہ حیثیت اور خدا کی طرف سے بلندترین مرتبہ کا مالک ہے بس یہی قانون "شریعت" اور "ہدایت" ہے۔ اور یہ قانون لانے والا انسان خدا کا برگزیدہ بندہ اور رسولؐ ہے جو خود بھی اس قانون پر عمل کرتا اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک خدا کے تمام نبی اور رسول انسان تھے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے آخری رسول اور انسان کامل ہیں اور قرآنِ مجید خدا کی آخری کتاب ہے۔ اب جو شخص اس کو تسلیم اور اس پر عمل کرے وہ دنیا و آخرت دونوں میں سُرخ رو اور باآبرو ہوگا اور جو اس سے روگردانی کرے اس کی حیات دنیوی اکارت اور آخرت میں ندامت ہوگی۔ لہٰذا رسولؐ کا انسان ہونا۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ دونوں قابلِ تعجب نہیں

بلکہ صاف اور کھلی ہوئی باتیں ہیں۔ البتہ جو عقلیں ایسی صاف اور کھلی ہوئی باتوں پر حیرت کرتی ہیں خود وہ عقلیں قابلِ حیرت ہیں بشرطیکہ ان کو عقل کہنا درست سمجھا جائے۔

کفار مکہ کی پہلی بات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت فرمادینے کے بعد ان کی دوسری بات کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ آیت ۶
لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ○ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ تا ۱۱
بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ 50-6 50-7
وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ وَ 50-8 50-9
نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑪ وَالنَّخْلَ
بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ 50-10 50-11
الْخُرُوْجُ ○

زمین ان (اجسام) میں سے جتنا گھٹاتی ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہمارے پاس یہ ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ جب ان کے پاس (دین) حق آیا تو (انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا) بلکہ اس کو جھٹلایا۔ اور وہ ایک اُلجھی ہوئی بات میں (پھنسے ہوئے) ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو کیسی زینت دی اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے۔ اور

زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر قسم کی رونق دار چیزیں اگائیں (یہ مظاہر قدرت) راہ نمائی اور سمجھانے کے لئے ہیں ہر اس بندہ کے لئے (جو ہماری طرف) رجوع کرنے والا ہے اور آسمان سے ہم نے مبارک پانی اتارا اور پھر اس (پانی) سے ہم نے باغ اور دانوں کو اگایا جو کھیتوں سے کاٹے جاتے ہیں۔ اور کھجور کے بلند درخت (پیدا کئے) جن کے میوے تہ برتہ ہوتے ہیں (یہ سب) بندوں کو روزی دینے کے لئے اور اس (پانی) سے ہم نے ایک مردہ شہر کو زندہ کیا۔ بس اسی طرح (قیامت میں قبروں سے) نکلنا (بھی) ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۔

کفار مکہ کو دوسری حیرت اس پر تھی کہ ہم مٹی ہو جانے کے بعد کس طرح پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے اس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ پہلے اپنا کمال علمی ظاہر فرماتا ہے کہ زمین نے ان کے جن اجزاء کو کھا لیا ہے اور جو بظاہر تمہیں مٹی دکھائی دے رہے ہیں ہم ان کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کس کس صورت میں کہاں کہاں ہیں اور ہمارے پاس وہ سب ایک کتاب میں محفوظ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ۔ مجاہد۔ قتادہ۔ ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان (اجزاء) سے

مراد گوشت پوست ہڈی وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد کفار مکہ کی ذہنی حالت کو بیان فرمانا ہے کہ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ جس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ حال ہر اس شخص کا ہے جو حق سے خارج ہوگیا۔ اس کے بعد وہ جو کچھ کہے وہ باطل ہی ہوگا۔

صاحب روح البیان اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی اضطرابی حالت میں ہیں جس کو قرار نہیں۔ یعنے ان کی عقلوں اور حس پر وہم وخیال غالب آگئے ہیں اور یہ ایسے چھاگئے ہیں کہ ان کو حق سجھائی نہیں دیتا۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کبھی ساحر۔ کبھی کاہن کہتے ہیں اور وہ کسی ایک بات پر قائم نہیں اور قرآن کے متعلق بھی ان کی یہی اضطرابی حالت ہے۔ اور یہی اضطرابی حالت بطلان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح ثبات وخلوص موجب اتفاق اور حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہر انسان میں قدرت نے قبولِ حق کی صلاحیت رکھی ہے اور یہی اس کی فطرت ہے جس کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ الحدیث۔ یعنے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اگر یہودی ہیں تو اس کو یہودی اور نصرانی ہیں تو اس کو نصرانی اور مجوسی ہیں تو اس کو مجوسی بناتے ہیں الخ۔ اسی طرح یہ کفار مکہ بھی قدرت کے اس عطیہ سے محروم نہیں اور سب کی طرح

ے مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری ومسلم صفحہ (۲۱) مطبوعہ مجتبائی۔

وہ بھی فطرت ہی پر پیدا ہوئے ہیں مگر ان کی فطرت فطرت سلیم نہ رہی یعنے ان کی قبولِ حق کی صلاحیت ہوائے نفسانی و شیطانی سے الجھ گئی ہے اور وہ ایک ایسی متزلزل اور الجھی ہوئی حالت میں پھنس گئے ہیں کہ جب ان کے سامنے حق یعنے سچا دین پیش ہوا تو انہوں نے اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کی تکذیب کر دی۔ اس کے بعد ان کی فاسد ذہنیت اور اس کے بدترین نتیجہ کا بیان ہے۔ پھر ان کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں پیش فرماتا ہے کہ ان پر نظر کرو اور اس غور و فکر سے اپنی گندہ ذہنیت کا علاج کرو اور ابد الآباد کی تباہی سے بچو ورنہ اگر اسی ضد و عناد اور انکار و جہالت کی حالت میں مر جاؤ گے تو تمہاری آخرت تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس وقت پچھتانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے اس کو غنیمت سمجھو اور دیکھو کہ ہم نے تمہارے اوپر اتنے بڑے آسمان کو بغیر ستون کے کس طرح کھڑا کر دیا اور اس کو کواکب اور ستاروں سے کیسی زینت دی اور اتنے بڑے آسمان میں کوئی شگاف نہیں اور یہ زمین جس پر تم رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہو کس طرح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ نصب کر دئے اور زمین سے رونق دار چیزیں اگائیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں زوج بھیج سے تمام اقسام کی زراعت۔ پھل اور نباتات اور ان کی سب انواع مراد ہیں۔ اور بھیج کے معنی حسن المنظر یعنے خوشنما کے ہیں قرآنِ حکیم میں انکار معاد کے

جواب میں ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے
کہ ان پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم خود بول اٹھیگی کہ خدا یہ کرسکتا ہے یا نہیں
کرسکتا۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ۔ اَوَلَمْ یَرَوْا ان اللہ الذی خَلَقَ السَّمٰوات
وَالْاَرض قادرٌ عَلیٰ ان یخلق مثلھُمْ یعنے کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے زمین و
آسمان کو پیدا کیا وہ ان کے مثل کو بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اَوَلیس الذی
خلق السّمٰوات والارض بقادرٍ علےٰ ان یخلق مثلھم بلی وھوالخلّٰق العلیم۔ کیا
جس نے زمین وآسمان پیدا کئے وہ ان کے مثل کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا
کیوں نہیں وہ بہت پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اَوَلَمْ یَرَوْا ان اللہ
الذی خلق السمٰوت وَالارض ولم یعیِ بخلقھن بقٰدرٍ علےٰ ان یحیِۦ الموتیٰ بلیٰ انہ علیٰ
کُلِّ شیٍٔ قدیر۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور انکی
پیدائش سے وہ عاجز نہیں ہوا کیا وہ خدا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ کیوں
نہیں وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔ لخلق السمٰوت والارض اکبر من خلق النّاس
زمین وآسمان کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے بھی بڑی بات ہے۔ ان سب
آیتوں میں منکرین معاد کو مظاہر قدرت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مگر خیال
رہے کہ یہ حق کی پکار اسی شخص کو فائدہ پہونچا سکتی ہے جو سمع قبول رکھتا ہو۔ یعنے

جس کے ضمیر میں کچھ بھی جان باقی ہو اور جس کی آنکھوں پر ہوا و ہوس کے پردے نہ پڑ گئے ہوں جس کے کان آوازِ حق سننے کے لئے بہرے نہیں ہو گئے جس کے دل پر ضد و عناد کی وجہ سے خدائی مُہر نہ لگ گئی ہو۔ اور وہ دل جس میں ذرا سی بھی طلب حق باقی ہے اس کے لئے۔ ہاں یہ مظاہرِ قدرت اسی کی راہ نمائی کے واسطے اور اسی کے سمجھانے کے واسطے ہیں۔ کیونکہ وہی عبد منیب ہے یعنے وہ ایسا بندہ ہے جو اس دنیا میں پھنسکر بھی ہوا و ہوس اور نفس و شیطان کی گرفت سے چھوٹ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

منکرین معاد کے سامنے پہلے پانچ مظاہر قدرت بیان کئے گئے کہ وہ ان کو نظر عبرت سے دیکھیں۔

آسمان (۱)۔ زینتِ آسمان (۲)۔ زمین (۳)۔ پہاڑ (۴)۔ نباتات کی پیدائش (۵)

یعنے کائنات علوی اور کائنات سفلی دونوں کے مظاہر پیش کرنے کے بعد اب چھٹا امر کائنات جوّ یعنے فضاء سے متعلق یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے مبارک پانی برسایا۔ کیونکہ پانی ابر سے برستا ہے اور ابر کائنات جوّ سے متعلق ہے پھر اس پانی کو مبارک پانی کہا اور اس کے اثرات یہ بیان فرمائے کہ اس سے باغ اور کھیت سرسبز ہوتے ہیں یہ مظاہر قدرت کا ساتواں امر ہے اور اسی پانی سے

کھجور کے بلند بلند درخت پیدا ہوتے ہیں۔ پھولتے اور پھلتے ہیں جن پر تہ برتہ
میوے لگے ہوئے ہیں جو آٹھواں امر ہے۔

اب اس حکمت کا بیان ہے کہ اس مبارک پانی کا برسانا اور اس سے باغ،
کھیت اور کھجور کے درختوں کو پیدا کرنا ہے یہ سب بندوں کو رزق دینے کے
لئے ہے۔

اس کے بعد ایک مردہ شہر کی ایسی مثال پیش فرمائی گئی ہے جو بالکل بدیہی
اور ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کیونکہ منکرین معاد کی نظر و فکر قبر کے تاریک گڑھے
اور اس کی خاک میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ لہٰذا ان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ اس تنگ
نظری اور کوتاہ اندیشی سے کام لینے کی بجائے اپنے سر اٹھائیں اور قدرت کی
ان بڑی بڑی اور کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا اندازہ کریں اور اس کی
نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

اس کے بعد اگلی امتوں کے منکرین اور ان کے انجام کا بیان ہے جس سے
اپنے حبیبؐ پاک کو تسلی دینا اور منکرین کو عبرت دلانا ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ
لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝

-15 اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝
-16 وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ
-17 اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
-18 قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ (ان[1] سے پہلے (معاذ) کو

جھٹلا چکے ہیں نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود و عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے، اور قوم تبع (ان)، سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید پوری ہو کر رہی) کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے عاجز ہو گئے (نہیں) بلکہ ان کو نئی پیدائش کی نسبت شبہ ہے بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں اور ہم اس (انسان) سے اس کی رگ جان سے (بھی) زیادہ نزدیک ہیں۔ جب دونوں (لکھنے) لینے والے ہم نشین (فرشتے لکھ) لیتے ہیں سیدھی اور بائیں (جانب) سے نہیں لاتا وہ زبان پر کوئی کلمہ مگر اس کے پاس ایک نگران کار تیار رہتا ہے۔

یعنے اگلی امتوں کے ان سرکشوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہو کر رہی اور وہ اس دنیا ہی میں تباہ و برباد ہو گئے

[1] ترجمہ بین القوسین ان دو آیات بینات کا ہے جو لفظ بلفظ تفسیر کے صفحہ ۵۶ پر درج ہیں

اوران پر عذاب آخرت بھی علٰحدہ ہوگا۔ اب جو لوگ اس کے خاتم النبیّٖن پر
ایمان نہ لائیں اوران کی تکذیب کریں توان کو اگلی امتوں کے انجام سے
درس عبرت لینا چاہئے۔ کیونکہ رحمت للعٰلمین کے طفیل میں خدا نے
اگلی امتوں کی طرح اگر اس امت پر اس دنیا ہی میں عذاب نازل نہ
فرمایا تو آخرت کا عذاب یقینی ہے جس سے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں
حشر و نشر یعنے قیامت کا یقین دلانے کے لئے فرماتا ہے۔ جس طرح
اللہ تعالیٰ نے سب کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب دوبارہ بھی پیدا کریگا
پہلی دفعہ پیدا کرنے سے اس کی قدرت ختم نہیں ہوگئی اس لئے کہ جو
خدا ایک دفعہ پیدا کرسکتا ہے وہ ہروقت پیدا کرسکتا ہے اپنی قدرت تخلیق کو
جملۂ خبریہ کی صورت میں نہیں بیان فرمایا بلکہ جملہ انشائیہ کی صورت
میں ظاہر فرمایا یعنے منکرین معاد سے خدا یہہ سوال فرماتا ہے کہ کیا ہم پہلی
آفرنیش سے عاجز ہوگئے اور لفظ "عیّ" کے اصل معنی کلام میں عاجز ہونیکے
ہیں اور یہاں اس لفظ کی خصوصیت یہہ ہے کہ خدا جب کسی کو پیدا کرنا
چاہتا ہے تو اس کو کسی ساز و سامان اور آلات و اوزار کی احتیاج نہیں
ہوتی بلکہ وہ حکم دیتا ہے اور وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے جیسے ارشاد ہیکہ

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ اور یہ حکم چونکہ خود کلام ہے اس لئے فرمایا کہ جیسے پہلے خدا اپنے حکم سے پیدا کر چکا ہے دوبارہ بھی پیدا کرے گا اب بھی وہ حکم دینے سے عاجز نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور نہ صرف اس کے اعمال و افعال کو بلکہ اُس کے جی میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کی خبر دیتا ہے کہ وہ انسان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کا علم انسان کے تمام امور پر حاوی ہے یہاں تک کہ بنی آدم کے جی کے اندر جو اچھے اور برے وسوسے پیدا ہوتے ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔ مگر صحیح بخاری میں رسول اللہ صلّی اللہ وعلیہ وسلم کی یہہ حدیث ثابت شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امّت کے وساوس سے درگزر فرما دیا ہے۔ جب تک وہ زبان پر یا عمل میں نہ آئیں لیتے تا وقتیکہ اُن سے کوئی قولی یا فعلی خطا سرزد نہ ہو

حلول واتحاد کی نفی

باز پرس نہ ہوگی۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید[1] کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اور جس نے اسکی تاویل علم سے کی ہے یعنے قرب علمی مراد لیا ہے۔ اس نے محض اسلئے گریز کیا ہے تاکہ حلول یا اتحاد لازم نہ آئے اور یہ دونوں چیزیں حلول واتحاد باجماع خدا سے منفی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے۔ خود لفظ بھی اس کا مقتضی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہہ نہیں فرمایا کہ انا اقرب الیہ من حبل الورید بلکہ اس کا ارشاد صرف یہہ ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ہم اس کی رگ جان سے زیادہ نزدیک ہیں۔ جیسے محتضر کے متعلق فرمایا کہ ونحن اقرب الیہ منکم ولاکن لا تبصرون یعنے ہم تم سے زیادہ اس (محتضر) کے نزدیک ہیں مگر تم نہیں دیکھتے اس سے مراد فرشتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و

[1] رگِ گردن مراد ہے جسے شہ رگ کہتے ہیں اور جس کے کٹنے کے بعد انسانی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ غالباً یہہ کنایہ ہے جان وروح سے۔

بعض حضرات صوفیائے نے یہہ فرمایا کہ "حق تعالیٰ اندر سے نزدیک ہے اور رگِ آخر جان سے باہر ہے"۔ جان نہاں درجسم واُوجاں نہاں ؎ اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں ۱۲

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون "
فالملئكة نزلت بالذكر وهو القرآن باذن الله عزوجل كذالك
الملئكة اقرب الى الانسان من حبل وريده اليه باقدار الله
جل وعلا لهم على ذالك ۔

ہم نے ذکر کو اتارا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں " مگر
فرشتے ذکر لیکر اترے یعنے اللہ عزوجل کے حکم سے قرآن لیکر نازل
ہوئے ۔ اسی طرح فرشتے انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ
نزدیک ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی قدرت دی ہے یعنے
انسان پر فرشتے کا بھی کچھ اثر ہے جیسے شیطان کا کچھ اثر ہی اسیطرح
شیطان ابن آدم میں اس کے خون کی طرح جاری و ساری ہے
جیسے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے بس اسی
طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی بیان فرمایا کہ اذ یتلقی المتلقیان یعنی
یعنے دونوں لکھنے والے لکھ لیتے ہیں یعنے وہ دونوں فرشتے جو
انسان کے عمل کو سیدھے اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے لکھتے رہتے
ہیں ۔ ابن آدم جو کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اس کے پاس

ایک نگہبان تیار رہتا ہے جو اس کو لکھتا ہے اور اس سے کوئی کلمہ اور کوئی حرکت
نہیں ترک ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان علیکم لحافظین کراماً
کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض
کہتے ہیں فرشتہ ہر بات لکھ لیتا ہے۔ حسنؒ و قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں اور
بعض کا قول ہے کہ فرشتہ صرف اسی کلمہ کو لکھتا ہے جس میں ثواب و
عذاب ہو۔ اور یہہ حضرت ابن عباسؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول
ہے مگر آیت سے پہلی بات ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام
ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ ہمارے امام سیدنا
احمد بن حنبلؒ نے ابن معاویہ سے بروایت الحارث المزنیؓ یہہ حدیث
بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کوئی
ایسی بات کہہ دیتا ہے جو خدا کی پسندیدہ ہوتی ہے مگر اس کو یہہ خیال
بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں تک پہونچ جائے گی اور وہ بات اللہ تک
پہنچ جاتی ہے اور اللہ اس پر اپنی خوشنودی لکھتا ہے یہاں تک کہ وہ
خدا سے ملتا ہے اور ایک شخص کوئی ایسا کلمہ اپنے منہ سے نکالتا ہے
جو خدا کی ناراضی کا موجب ہوتا ہے اس کو یہہ یاد بھی نہیں رہتا کہ اسکی

یہہ بات کہاں تک پہونچے گی مگر خدا اس بات پر اپنی ناراضی لکھتا ہی۔
یہانتک کہ وہ بندہ اس سے جا ملتا ہے۔ علقمہ فرمایا کرتے تھے کتنی
باتیں ہیں جن کے بولنے سے مجھ کو بلال بن حارث کی حدیث نے روکدیا
ہے اس حدیث کو ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے محمد بن عمرو کی حدیث
سے روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح حدیث کہا ہے۔ اور
صحیح بخاری میں بھی اس کے شاہد موجود ہیں۔
احنف بن قیس کہتے ہیں کہ سیدھی جانب کا فرشتہ نیکی لکھتا
ہے اور یہہ بائیں جانب کے فرشتہ پر امین ہے لہذا اگر بندہ سے
کوئی خطا سرزد ہوتی ہے تو وہ بائیں جانب کے فرشتے سے کہتا ہی
کہ رک جا اگر بندہ خدا سے مغفرت طلب کرتا ہے تو وہ اس کو
لکھنے سے منع کر دیتا ہے اور اگر بندہ مغفرت سے انکار کرتا ہے
تو وہ اس کی برائی لکھدیتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے
روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت یعنے عن الیمین و
عن الشمال قعید کی تلاوت کرکے فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تیرے
لئے صحیفہ یعنے کتاب کھلی ہوئی ہے اور تیرے پر دو بزرگ فرشتے مقرر

کردئے گئے ہیں ان میں سے ایک تیری سیدھی طرف اور دوسرا
تیری بائیں طرف ہے جو تیری سیدھی جانب ہے وہ تیری نیکیاں
محفوظ کرتا ہے۔ اور جو تیری بائیں جانب ہے وہ تیری برائیاں محفوظ
کرتا رہتا ہے تو جو چاہے کر کم یا زیادہ یہانتک کہ جب تو مرجائے گا
تو تیرا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور اُس کو تیری گردن میں ڈال کر
تیری قبر میں تیرے ساتھ رکھدیا جائے گا۔ حتیٰ کہ تو قیامت کے دن
قبر سے نکلیگا۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ "وکل انسان
الزمنہ طٰئرہٗ فی عنقہٖ ونخرج لہٗ یوم القیمۃ کتٰبا یلقٰہ
منشورا ہ اقرأ کتٰبک کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا" ہ
ثم یقول عدل واللہ فیک من جعلک حسیب
نفسک (تفسیر ابن کثیر جلد نہم صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸ مطبوعہ میری)
ابن المنذر اور ابو الشیخ نے حجاج بن دینار سے یہہ روایت نقل کی ہے
کہ انہوں نے کہا میں نے ابی معشر سے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنے
دل ہی دل میں خدا کی یاد یعنے (ذکر قلبی) کرے تو اس کو فرشتے کس طرح
لکھینگے (یعنی فرشتوں کو اس کی کس طرح خبر ہوگی اور وہ کیونکر لکھیں گے)

تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ یعنی فرشتے اس کی ہوا پا لینگے (تفسیر
درمنثور جلد ششم صفحہ (۱۰۳) مطبوعہ مصر)

۱۹ آیت تا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝
۳۰ آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ
مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
سورہ قٓ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ
(۵۰) ول قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ؕ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ
سورہ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا
مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا
لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ
ع لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ
وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ اور موت کی سکرات حق کو لے کر آ گئی۔
یہی وہ چیز ہے جس سے تو کترا رہا تھا اور صور پھونکا گیا یہ عذاب
کے وعدہ کا دن ہے۔ اور ہر شخص (قبر سے نکلکر) آگیا (اور) اسکے

ساتھ ہانکنے والا اور گواہی دینے والا ہے۔ تو اس (دن) سے غافل
تھا۔ اب ہم نے تیرا پردہ ہٹا دیا اس لئے آج تیری نگاہ تیز ہے اور
اس کے ساتھ والے (فرشتہ) نے کہا کہ یہہ جو میرے پاس تھا حاضر
ہے (ہم کہیں گے کہ اے) دونوں (فرشتو) عناد کرنے والے کافر
کو دوزخ میں ڈال دو نیکی سے منع کرنے والے حد سے بڑھ جانے
والے (اور) شک کرنے والے کو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود
مقرر کرلیا تھا (ان میں سے ہر ایک کو) سخت عذاب میں ڈال دو
(پھر) اس کے ساتھی (شیطان) نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار
میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا لیکن وہ (خود) گمراہی میں دور تک نکل
گیا تھا۔ (اللہ نے فرمایا) کہ میرے پاس تم جھگڑا مت کرو حالانکہ
اس سے پیشتر تمہارے پاس میں نے عذاب کا وعدہ بھیجا تھا میرے
پاس بات نہیں بدلتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں اس دن
ہم دوزخ سے کہینگے کیا تو بھر گئی اور وہ کہیگی کیا کچھ اور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کفار مکہ کے بعث وجزا کو بعید سمجھنے کا ذکر فرمایا۔
اور اپنے علم و قدرت کی تحقیق سے ان کے شبہ کو زائل کرتے ہوئے

انسان موت کے شکنجے میں

یہہ بھی بیان فرمادیا کہ بندوں کے تمام اعمال و اقوال محفوظ اور نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں جن کا قیامت میں حساب وکتاب ہوگا تو اب اس کے بعد مطلق انسان کو مخاطب کرکے موت وحشر کے واقعات بیان فرماتا ہے۔ اور چونکہ یہہ باتیں بہت جلد اور یقینی پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کو بصیغہ ماضی بیان فرماتا ہے۔ اور اس کی ابتدا سکرات کے ذکر سے فرمائی کیونکہ سکرات' موت کی چوکھٹ ہے اور موت قبر کا زینہ اور قبر آخرت کی پہلی منزل ہے کیونکہ انسان جب موت کی چوکھٹ پر پہونچ جاتا ہے تو بڑے بڑے سرکشوں کے کس بل نکل جاتے ہیں۔ قوت وطاقت۔ مال و دولت۔ حکومت وسلطنت۔ علم و حکمت یہہ سب دنیوی نعمتیں بیکار رہ جاتی ہیں۔ ہوا وہوس اور نفس و شیطان کے پھندوں میں پھنس کر انسان جن امور آخرت کا انکار کرتا رہا اس وقت ان پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے اور یہہ حقیقت اپنی خوفناک صورت میں ظاہر ہوجاتی ہے کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندے یعنے انبیا علیہم السلام نے بتایا تھا اور اب جس عالم سے سابقہ ہے وہاں صرف ایمان وعمل صالح کا سکہ چلتا ہے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط بیضاوی کہتے ہیں کہ سکرات موت سے مراد وہ شدت یعنے سختی ہے جو عقل کو گم کر دیتی ہے اور بالحق میں باء تعدیہ کے لئے ہے جس کا مطلب یہہ ہے کہ موت کی سکرات نے حقیقت امر کو سامنے پیش کر دیا۔ یا موعود حق یا اُس حق کو پیش کر دیا۔ جس کا تعلق موت سے ہونا چاہئے یا جزا کو سامنے پیش کر دیا۔ (تفسیر بیضاوی)

الحاصل انسان کی پوری زندگی میں سب سے نازک یہی وقت ہے اور انسان اس وقت جتنا مجبور و بےبس ہوتا ہے اپنی تمام عمر میں کبھی نہیں ہوتا۔

ایک پادری صاحب نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "محمڈن ورلڈ ٹوڈے" یعنے موجودہ دنیائے اسلام ہے کتاب کا اصل مقصد تو یہہ ہے کہ عام مسلمانوں کی ان کے مذہب سے ناواقفیت اور افلاس سے فائدہ اٹھاکر ان کو عیسائی بنانے کی کوشش کیجائے۔

مگر پادری صاحب اپنا مطلب صاف الفاظ میں نہیں ادا کرتے بلکہ ہمدردانہ و مشفقانہ لہجہ میں بنی نوع انسان کی خیرخواہی

ہمارے کلمہ گو بزبان پیس

اور خیر اندیشی کے انداز میں اپنی کتاب اس طرح شروع فرماتے ہیں کہ میں نے مصر وغیرہ مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور مسلمانوں سے میل جول پیدا کر کے ان کی خانگی زندگی کا بھی مشاہدہ کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ ان میں روحانیت کی تلاش و جستجو ہے مگر اسلام میں چونکہ روحانیت کی تشفی بخش تعلیم نہیں ہے اس لئے ان کی روحیں بے چین ہیں۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے بعض اکابر اسلام کے آخری الفاظ نقل کئے ہیں۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے آخری الفاظ یہ تھے۔ اور حضرت عمر رضؓ کے آخری الفاظ یہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ گویا ان الفاظ کو روحانیت یعنے صداقت مذہب کا معیار قرار دیا ہے۔

ہم پادری صاحب کے اس معیار کو تھوڑی دیر کیلئے تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس پر صرف اتنا اضافہ کر دیتے ہیں کہ بجائے متبعین کے خود متبوعین یعنے پیروان مذہب کی بجائے اگر بانیانِ مذاہب کو اس معیار پر جانچا جائے تو انسب و اولیٰ ہے۔ اس نقطہ نظر سے حضرت عیسیٰؑ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حالات و آخری الفاظ پر نظر ڈالنا ہوگا کہ موت کی اطلاع ہونیکے بعد ان دونوں نے موت کا

استقبال کس طرح کیا اوران کے آخری الفاظ کیا تھے۔

فقیر پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے عقیدہ کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو سکے۔ ہم مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی موت اور صلیب دونوں کے قائل نہیں بلکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے جلیل القدر نبی و رسول ہیں۔ اور اسی کی قدرت سے آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے اور ان کا مثیل۔ ظل بروز۔ پرتو نہیں آئے گا بلکہ خود وہی عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ ہاں وہی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پھر اس دنیا میں نازل ہونگے اور شریعت محمدیؐ کی پیروی کریںگے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۷۹ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام) نیز موجودہ انجیل ہمارے عقیدہ کے مطابق وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور نہ پہلی آسمانی کتابوں میں سے کوئی اور کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔

مگر پیروان مسیحؑ چونکہ ان کتابوں (یعنے عہد نامہ قدیم و عہد نامہ جدید کو) معتبر سمجھتے ہیں اس لئے ان کے مسلمات کی حیثیت سے اگر انجیل مقدس

انجیل ۱۹۶۹ء

ان کے سامنے پیش ہو تو یقیناً ان کو تو تامل نہ ہونا چاہئے اس لئے "موجودہ دنیائے اسلام" کے مولف کے مقرر کردہ معیار پر جانچنے کے لئے یہہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی اس دنیا میں آخری رات کیسی گزری اور اس دنیا سے جاتے وقت ان کے آخری الفاظ کیا تھے۔ پہلے اس کو نقل کرنیکے بعد کتب احادیث سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حالات و آخری الفاظ نقل کئے جاتے ہیں اور اس خاص معیار پر اسلام و عیسائیت کو جانچنے کے بعد جو نتیجہ نکل سکتا ہے اس کا تصفیہ خود تمہارے ہی ضمیر پر چھوڑتے ہیں۔

"اس وقت یسوع نے ان سے کہا کہ تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے کیونکہ لکھا ہے کہ میں چرواہے کو ماروں گا اور گلے کی بھیڑیں پراگندہ ہو جائیں گی لیکن میں اپنے جی اٹھنے کے بعد تم سے پہلے گلیل کو جاؤں گا۔" (انجیل متی باب ۲۶، ۳۱، ۳۲)

"اس وقت یسوع نے ان کے ساتھ گتسمنے نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا مانگوں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور

بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس (یعنے یسوع) نے اُن سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہونچ گئی ہے تم یہاں ٹھیرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یہہ دعا مانگی اے میرے باپ اگر ہوسکے تو یہہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تاہم جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے جاگو اور دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کم زور ہے۔ پھر دوبارہ اس نے جاکر یہہ دعا مانگی۔

اے میرے باپ اگر یہہ میرے پئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔ اور آکر پھر انہیں سوتے پایا کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں اور انہیں چھوڑ کر پھر چلا گیا۔ اور وہی بات پھر کہکر تیسری بار دعا مانگی۔ تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا اب سوتے رہو اور آرام کرو۔ دیکھو وقت آپہونچا ہے۔ اور ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالے کیا جاتا ہے۔ (انجیل متی باب ۲۶ ۳۷ تا ۴۵)

خیال رہے کہ حضرت مسیحؑ کو کوئی جسمانی تکلیف یا دکھ بیماری نہ تھی بلکہ یہہ بتا دیا گیا تھا کہ اب دنیا چھوڑنے کا وقت آگیا اور یہہ یہہ واقعات پیش آنے والے ہیں۔ مگر یہہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ معاذاللہ معاذاللہ۔ بیٹا باپ کے سامنے جانے سے کتنا خوف زدہ اور پریشان ہے۔ اور ساتھیوں پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ نزاکت وقت اور اپنے نبی کی محبت اور ان کی مفارقت کا ان پر کچھ بھی اثر نہیں بلکہ باوجود تاکید کے وہ نہایت بے فکری اور آرام سے خواب راحت کے مزے لیتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کے واقعات۔ پطرس کا انکار۔ سردار کاہن اس کے ساتھی اور رومیوں کے برتاؤ اور صلیب پر چڑھائے جانے کی تفصیل ہے جس کو بخوف طوالت نظر انداز کرکے صرف یہاں دو فقرے درج کئے جاتے ہیں۔

"اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی ایلی لما شبقتنی۔ یعنے اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے

کیوں چھوڑ دیا" (انجیل متی باب ۲۷ ف (۴۵، ۴۶)

انجیل مقدس اور متی کی روایت کے بموجب حضرت مسیحؑ کے بس یہی آخری الفاظ ہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں یہہ دیکھئے کہ خدا اپنے ایک پیار بندے کو یہہ اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے ابھی اور اس دنیا میں رہے چاہے خدا کے پاس چلا جائے تو وہ اپنے اس اختیار سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے۔

رفیق اعلیٰ کی طرف سیدالانبیاء کا سفر

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ "خدا نے ایک بندہ کو یہہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا کی بھلائی اور خوبی کو لے یا خدا کے پاس جو ہے اُس کو اختیار کرے۔ اس بندہ نے اس چیز کو اختیار کیا جو خدا کے پاس ہے"۔ کسی نے اس تقریر کا اصل مطلب نہ سمجھا مگر حضرت ابوبکرؓ جو یار غار اور مزاج شناس تھے حقیقت کو پا گئے اور رو کر عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر سے فدا ہو جائیں الحدیث (مشکوۃ المصابیح بحوالہ بخاری و مسلم صفحہ ۵۴۶ مطبوعہ مجتبائی)

اس کے بعد مرض کی شدت بڑھ جاتی ہے چلنے پھرنے یا باہر

نکلنے کی سکت نہیں رہتی اور وہ نازک وقت آجاتا ہے جس کو سکرات موت کہتے ہیں اور آزمائش کی سب سے کٹھن گھڑی آپہونچتی ہے جس کا مقابلہ کس شان سے ہوتا ہے اس کو بھی غور سے پڑھیئے۔

وجاءت سکرۃ الموت کی تفسیر میں ابن ابی شیبہ۔ بخاری۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بوقت وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا۔ آپ اپنے دونوں دست مبارک اس میں داخل فرماتے اور ان سے اپنے روئے مبارک پر مسح فرماتے جاتے تھے۔ اور زبان مبارک سے یہہ فرماتے لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۰۵)

حاکم نے قاسم بن محمد سے یہہ روایت نقل کی اور اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ آپ (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہہ آیت تلاوت فرمائی۔ وجاءت سکرۃ الموت بالحق۔ دوسری روایت حضرت بی بی عائشہ رضؓ سے یہہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوقت وصال ایک پانی کا برتن تھا جس میں آپ اپنا دست مبارک ڈبوکر اپنے روئے مبارک پر پہلے پانی سے مسح فرماتے جاتے تھے۔

اور پھر زبان مبارک سے یہہ دعا فرماتے کہ اللھم اعنی علی سکرات
الموت (تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ (۱۰۵)

حضرت بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر نبی بیمار ہوتا ہے تو اُس کو دنیا و آخرت کے
درمیان اختیار دیا جاتا ہے اس کے بعد آپؐ کو شدت کی کھانسی
ہونے لگی اور میں نے سنا کہ آپ فرمارہے تھے۔ مع الذین انعمت
علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین ہ
یعنے ان لوگوں کے ساتھ جن پر تیرا انعام ہے نبیوں۔ صدیقوں۔
شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ۔ تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو (پھر) اختیار
دیا گیا (متفق علیہ) مشکوٰۃ شریف صفحہ (۵۴۷)

یہاں تک تو اپنی خوشی اور رضامندی سے موت کا استقبال
تھا۔ اب ام المومنینؓ کی زبان سے جن کے زانوئے مبارک پر لوقت
وصال حضورؐ انور کا سر مبارک تھا سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے آخری الفاظ کیا تھے۔ قالت عائشہؓ وکان آخر کلمۃ تکلم بھا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولہ" اللھم الرفیق الاعلیٰ "

یعنے حضرت بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بات
اللّٰہم الرّفیق الاعلیٰ تھی۔

ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ یہہ اشارہ موت کی طرف ہے یعنے
اے انسان جس سے تو بچ اور بھاگ رہا تھا آخر وہ موت تیرے
سر پر آگئی اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۝ اس سے مراد صور اسرافیل کا دوسرا نفخ ہے
کیونکہ صور کے پہلے نفخ سے سب فنا ہو جائینگے اور دوسرے نفخ سے
سب زندہ ہو کر حساب وکتاب کے لئے خدا کے سامنے حاضر ہونگے

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ اور ہر نفس خدا کے
سامنے اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک سائق ہانکنے
والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اچھے اور برے اعمال نیوی
کی گواہی دیگا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ۝ اے انسان تو اس سے غافل تھا
اس کے مخاطب کے متعلق اختلاف ہے اس سے مشرکین مراد ہیں
کیونکہ وہ اپنی عاقبت سے غافل تھے اور ابن زید کا خیال ہے کہ اس آیت

باب اعمال نامہ کا انکشاف اور اسرار

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور غفلت سے یہہ مراد ہو کہ پہلے آپ کو اپنی رسالت کی اطلاع نہ تھی مگر اکثر مفسرین رحمہم اللہ یہہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ساری نیک و بد مخلوق ہو یعنے یہہ خطاب عام ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ؕ یعنے امور آخرت پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اب ہم نے اُس کو اٹھا دیا۔ اے انسان آج تیری نظر تیز ہوگئی اور وہ سب امور تجھے صاف دکھائی دینے لگے جن کی خبر ہمارے پیغمبر دیا کرتے تھے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ؕ یعنے تیرے کاتب اعمال تیرا اعمال نامہ خدا کے سامنے پیش کر دینگے۔ اللہ اکبر۔ کیسا نازک وقت ہوگا جب یہہ مجبور و عاجز بندہ اُس رب العالمین اور احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوکر اپنے اعمال کا حساب دیگا جسکے آگے کوئی دھوکا فریب۔ لسانی کچھ کام نہ آئے گی۔ کیونکہ وہ علیم وخبیر ہمارے ظاہر و باطن سے خود واقف ہے۔ پھر اس کے سامنے ہمارا نامہ اعمال پیش ہوگا جس میں ہر نیکی و بدی خواہ لفظی ہو یا عملی لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر خود ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے

کیونکہ جس خدا نے زبان میں قوت گویائی دی ہے وہ اس روز زبانوں پر مہر لگا دیگا اور ہمارے ہاتھ پاؤں کو قوت گویائی عطا کریگا۔ جیسے فرماتا ہے۔ الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون ؕ اور اس کے بعد ہر انسان اپنی چھوٹی سی چھوٹی نیکی و بدی کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ فمن یّعمل مثقال ذرۃٍ خیرًا یّرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرًّا یرہ۔

اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ ۙ

الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ

زجاج کہتے ہیں ان دونوں فرشتوں یعنے سائق وشہید کو جو ہر انسان پر مقرر ہیں یہہ حکم دیا جائے گا کہ ہر کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا نیکی سے منع کیا کرتا اور شریعت کے امر و نہی کی حد سے گزر جانے والا اور حق میں شک وشبہ کرنے والا تھا اُسے دوزخ میں ڈال دو۔ اور جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود مقرر کیا یعنے جو شرک میں مبتلا ہوا اُس کو بھی سخت عذاب میں ڈال دو یہہ تکرار پہلے امر کی تاکید ہے۔ فقیر کا خیال ہے اُس کو علحدہ بیان کرنے میں شاید یہہ

حکمت ہے کہ اوپر جو دوسرے اوصاف بیان کئے گئے ان میں شرک سب سے بدتر ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں شرک کو "ظلم عظیم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یا بُنی لا تشرک باللہ اِنّ الشرکَ لظلمٌ عظیمٌ۔

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ۝ یہہ جملہ مستانفہ ہے یہاں ساتھی سے مراد وہ شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اور جس کے پھندے میں پھنس کر ایک انسان ساری عمر اس کی غلامی و اطاعت اور خدا و رسولؐ کے حکم سے نافرمانی کرتا ہے اب وہی شیطان خدا کے سامنے انکار کرتا ہے کہ میں نے اُس کو نہیں بہکایا بلکہ وہ حق سے بہت دور تھا میں نے اس کو اپنی طرف بلایا تو اس نے میری دعوت قبول کرلی۔ پروردگار اگر یہہ تیرے مخلص بندوں میں سے ہوتا تو میں اس پر قابو نہ پا سکتا۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ۝ یہہ بھی جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے سامنے جھگڑا مت کرو کیونکہ اس سے پیشتر میں نے اپنے ہادی بھیجے اور ان کے ذریعہ نجات حاصل کرنے کا ایک قانون بھیج دیا

اور اس میں تمہیں یہہ بتا دیا گیا تھا کہ جو اس پر ایمان نہ لائے اور اس پر
عمل نہ کرے اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ جب انسان کو
ہم نے عقل و ہوش عطاء کیا تھا جب ہم ان کی ہدایت کے لئے وقتاً
فوقتاً ہادی اور پیغمبر بھیج چکے تھے اور ان کے ذریعہ اپنی مرضی صاف
صاف الفاظ میں ظاہر کر دی تھی کہ جو ہم پر ایمان لائے اور نیک عمل
کرے وہ جنت میں بھیجا جائے گا اور جو ایمان نہ لائے اور برے کام
کرے وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اب اس کے بعد ہماری حجت
تمام ہو گئی لہذا یہہ انجام تمہیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا مگر تم نے اس کی
پروا نہ کی۔ تمہیں اب اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ کیونکہ میری بات
نہیں بدلتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں اس لئے کہ نیکی و بدی دونوں
راستے تمہارے سامنے تھے اور دونوں کا انجام بھی بتا دیا گیا تھا
جب تم نے دانستہ نیکی سے اعراض کیا اور بدی کے راستے کو اختیار
کیا تو تمہیں اس کا لازمی نتیجہ بھی بھگتنا چاہئے۔ یہہ ظلم نہیں بلکہ عین
انصاف ہے کیوں کہ شیطان اور اس کے پیروؤں سے دوزخ کو

پر کر دینے کی وعید وارد ہو چکی ہے جو بدل نہیں سکتی۔ بس اس وعید کے بموجب مستحقینِ نار کو دوزخ میں ڈال دینا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے اس کے بعد دوزخ کا بیان ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کی کیا حالت ہوگی

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۝ اس روز ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ اپنی وسعت اور جوق در جوق اہل نار کے یکے بعد دیگرے اس میں جھونکے جانے کے باوجود پُر نہ ہوگی بلکہ اور زیادتی طلب کرے گی۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں ایک لطیف بات یہہ ہے کہ دوزخ کافروں پر غضبناک ہو کر ان کو طلب کریگی پھر اس میں دوزخ کا ایک حصہ گناہگار مومنین کے لئے خالی رہے گا دوزخ اس کی طالب ہوگی کہ یہہ جگہ بھی بھر دی جائے کیونکہ اُس کو یہہ گمان ہوگا کہ مبادا کوئی کافر باہر رہ گیا ہو۔ مگر اس خالی جگہ میں گناہگار مومن داخل ہونگے اور مومن کا ایمان دوزخ کی حرارت کو ٹھنڈا کر دے گا اور ان کے ایقان سے دوزخ کے غیض و غضب کو سکون ہو جائے گا۔ اور بعض حدیثوں میں جو یہہ آیا ہے کہ دوزخ زیادتی طلب کریگی یہاں تک

دوزخ کی حالت

جبّار اس میں اپنا قدم رکھ دیگا۔ تو یہہ حدیث اسی پر محمول ہوگی۔
کیونکہ مومن غیر خدا کے حق میں جبار و متکبر اور خدا کے سامنے متواضع
و منکسر ہوتا ہے (تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۶۱۱)

سکرات موت حساب وکتاب اور روز قیامت کے ہولناک
واقعات بیان فرمانیکے بعد اب جنت اور اہل جنت کا بیان فرماتا
ہے چونکہ اس سورہ کے آغاز میں منکرین رسالت اور منکرین معاد
کا بیان ہے اس لئے دوزخیوں اور دوزخ کے حال کو پہلے
بیان کیا کہ کفر و انکار کے نتیجہ سے باخبر ہوکر اپنی اصلاح کی طرف
مائل ہوں گویا کافروں کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے یہہ بھی ایک
اتمام حجت ہے اب جنت واہل جنت کا بیان ہے یعنے موقع اور
مخاطب کی مناسبت سے ترہیب کے بعد ترغیب ہے تاکہ ان پر
مایوسی نہ طاری ہو بلکہ امید کے سہارے کفر و معصیت کی تاریکی سے
نکل آئیں کیونکہ ابھی وقت باقی اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

جنت اور اہل جنت کا بیان

آیت ٣١ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
٣٢ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ

34 بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۣ ۙ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ
35 مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
36 مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ
37 مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ
اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ اور جنت پرہیزگاروں کے نزدیک
کردی جائے گی دور نہ رہیگی۔ (اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہہ ہے
(وہ) وعدہ جو تم سے کیا گیا تھا۔ (اور یہہ نعمت ہر اُس شخص کیلئے
ہے جو (خدا کی طرف) رجوع کرنے والا اور (اس کے احکام کی)
حفاظت کرنے والا ہے جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے (اور اس کے
سامنے ایسا) دل لیکر آیا جو (خدا کی طرف) رجوع کرنے والا ہے
اس میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے اس (جنت)
میں وہ جو چاہیں گے ان کو ملے گا۔ اور ہمارے پاس اس سے (بھی)
زیادہ ہے۔ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کرچکے ہیں جو
ان لوگوں سے زیادہ دست دراز تھے۔ پھر انہوں نے شہروں میں
کرید (کرید) کر دیکھا کہ آیا کوئی چھٹکارے کی جگہ (بھی) ہے۔

آیت ۳۱ تا ۳۷

بے شک اس میں نصیحت ہے (مگر) اُس شخص کیلئے جو دل رکھتا ہے
یا کان لگا کر سنا اور متوجہ ہوا۔

تفسیر آیت ۳۱ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ اور جنت پرہیزگاروں سے نزدیک ہو جائے گی۔ دور نہ رہے گی۔ یعنے جو بندے عذاب آخرت سے ڈرتے رہے۔ فرائض کو ادا کیا اور گناہوں سے پرہیز کیا جنت ان کے نزدیک ہو جائے گی تاکہ اس میں داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیں۔ جس طرح دوزخ اہل دوزخ پر غضبناک اور زیاتی کی طالب ہے۔ اسی طرح جنت بھی اہل جنت کی مشتاق ہے۔ جنت کی نزدیکی سے مراد یہہ ہے کہ اہل جنت اور جنت کی درمیانی مسافت خدا کے حکم سے لپیٹ دیجائے گی۔ جب کوئی چیز کسی کے نزدیک ہوتی ہے تو قربت دونوں میں ہوتی ہے مگر یہاں یہہ نہیں فرمایا کہ پرہیزگار جنت کے قریب ہو جائیں گے۔ بلکہ یہہ فرمایا کہ جنت پرہیزگاروں کے نزدیک ہو جائے گی جس سے پرہیزگاروں کا اعزاز واکرام ظاہر ہوتا ہے۔ جنت تو ان کا پہلا زینہ ہے ورنہ وہاں ان کو اور ایسی ایسی سرفرازیاں بھی ہونے والی ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں

نہیں آسکتیں۔

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ یعنے دنیا میں پیغمبروں نے جن چیزوں کی بشارت دی تھی اور خدا نے اپنے پیغمبروں سے جزاء اُخروی کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ اب تمہارے سامنے ہے تم نے چند روزہ حیات دنیوی میں جو کچھ عمل کیا اس کا یہہ صلہ ابدالآباد کیلئے تمہیں دیا جاتا ہے

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيظٍ کی تفسیر میں حافظ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو معصیت سے اطاعت کی طرف رجوع کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اَوَّاب سے مراد تسبیح کہنے والا ہے۔ حکم کا قول ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو تنہائی میں خدا کا ذکر کرے۔ اور مجاہدؒ کا دوسرا قول یہہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اور قتادہؒ کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار اور بہت نماز پڑھنے والا ہے مگر ابن جریر کہتے ہیں کہ اس تائب اواب کا وصف خدا نے حفیظ فرمایا ہے

اور کسی خاص طاعت کی حفاظت مختص نہیں فرمائی۔ اس لئے لفظ حفاظت کا عموم باقی رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا "حفیظ" سے مراد یہہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ہر اُس فرض اور طاعت کی حفاظت کی جس سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ و استغفار کی۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ اُسی کی مزید تشریح ہے کہ وہ ایمان بالغیب رکھتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اُس نے خدا کو دیکھا تھا نہ جنت و دوزخ اس کے سامنے تھیں اور نہ اس نے ثواب و عذاب کی حقیقت کا مشاہدہ کیا تھا۔ بلکہ ان سب باتوں کا علم اس کو خدا کے پیغمبروں سے سن کر ہوا تھا۔ وہ ان پیغمبروں کو سچّا سمجھتا تھا اور ان کی صداقت پر اعتبار کرتا تھا اور ان پر اس کو ایسا راسخ ایمان و اعتقاد تھا۔ جس کو کوئی انسانی اور شیطانی طاقت متزلزل نہ کر سکی۔

ایک طرف اس کو یہہ یقین تھا کہ خدا رحمٰن ہے اور رحمانیت کا تقاضہ اگرچہ وابستگی امید ہے مگر صرف اس امید ہی پر تکیہ کر کے وہ کبھی نڈر نہیں

ہوا بلکہ اس رحمانیت کے ایقان کے ساتھ ساتھ اس کے دل
میں خوف خدا بھی تھا جس کی وجہ سے وہ خدا کے اوامر و نواہی
دونوں کو ہر وقت پیش نظر رکھتا تھا یعنے جب تک وہ دنیا میں رہا
اس کی امید و خوف دونوں خدا اور صرف خدا ہی سے وابستہ رہے
اور اب خدا کے سامنے حاضر ہوا تو ایسا دل لے کر حاضر ہوا جو خدا
کی طرف رجوع کرنے والا مخلص اطاعت گزار ہے۔ بس یہی وہ بہتر
سے بہتر نذرانہ ہے جو ایک عاجز بندہ اپنے مالک حقیقی کے آگے
پیش کر سکتا ہے یہہ ایسے بندے ہیں کہ جب تک دنیا میں رہے خدا کی
لو لگی رہی اور اب مالک کے سامنے حاضر ہیں تو بھی وہی لگن ان کے دلوں
میں موجود ہے لہذا ان کو حکم ہوگا کہ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ
اس جنت میں تم سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے
"سلام" کے معنے میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ عذاب
سے محفوظ و سلامت رہ کر داخل جنت ہو جاؤ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ
اللہ اور فرشتوں کے سلام سے مشرف ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ
بعض کہتے ہیں کہ زوال نعمت کے کھٹکے سے سلامت رہ کر جنت میں داخل ہو

مگر حق تو یہہ ہے کہ کسی ایک امر کی تحدید و تخصیص نہیں بلکہ اہل جنت کو خدا کے فضل و کرم سے یہہ سب امور اُس روز حاصل ہونگے انشاء اللہ المستعان۔

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾ انتہائی بلاغت کے ساتھ جنت کی تمام نعمتوں کو صرف ایک جملہ میں بیان فرما دیا کہ اہل جنت جو چاہینگے وہ اُن کو مل جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شانِ بندہ نوازی ہے۔ جو بندے اس چند روزہ دنیا میں خدا کی مرضی ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے۔ اپنی نفسانی و شیطانی خواہشات سے دور رہ کر احکام خدا اور رسول کی اطاعت کرتے تھے آج اس کے صلہ میں وہ مالک حقیقی ان کی ہر خواہش پوری فرما رہا ہے اور ان کی منہ مانگی مراد عطا کر رہا ہے۔ اور اس چند روزہ اطاعت کا صلہ ابدالآباد کے لئے دے رہا ہے پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اب اس زیادتی کی تفصیل سنئے صاحب "روح البیان" فرماتے ہیں کہ وہ جتنی نعمتیں چاہیں اس سے بھی زیادہ ملے گا اور وہ اس قسم کی سرفرازیاں ہیں کہ نہ کسی کی آنکھ نے

اس کو دیکھا نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں
اس کا خطرہ آیا۔ "لدینا مزید" کی تفسیر میں حضرت انسؓ سے مروی
ہے کہ یتجلی لھم الرب عزوجل یعنے اہل جنت پر اللہ عزوجل کی
تجلی ہوگی (تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۰۸)

اس کے بعد اگلی امتوں کے منکرین اور ان کا انجام بیان فرماتا ہے کہ
كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا
فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے
والے منکرین قریش سے پہلے ہم ایسے بہت سارے دوں کو ہلاک کرچکے
ہیں جو قریش سے بہت زیادہ چیرہ دست اور سرکش تھے پھر ان کی
کیا حقیقت ہے اگر یہ ضد اور عناد سے باز نہ آئیں گے تو ان کا
بھی وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے کے سرکشوں کا ہوا۔

اگلے سرکشوں کی ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ فنقبوا فی البلاد
یعنے انہوں نے شہروں کو چھان مارا اور دور دراز تک پہونچ گئے۔
چنانچہ امرؤ القیس کہتا ہے۔

لقد نقبت فی الافاق حتی ؛ رضیت من الغنیمۃ بالایاب

حضرت ابن عباسؓ سے فنقبوا فی البلاد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ (ھربوا بلغۃ الیمن) یعنی یمن کی زبان میں اس کے معنی بھاگنے کے ہیں پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا عرب اس لفظ کے اس معنی سے واقف ہیں تو آپ نے عدی ابن زید کا یہہ شعر پڑھا۔

نقبوا فی البلاد من حذر الموت وجالوا فی الارض ای مجال

حاصل یہہ کہ اگلی امتوں کے سرکش جوان قریش سے بھی زیادہ سخت تھے انہوں نے بہت سے شہر چھان مارے مگر ان کو کہیں پناہ نہ ملی اور وہ خدا کی گرفت سے نہ بچ سکے۔

ھل من محیص ۰ کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ان کو بھاگ جانیکے لئے کوئی جگہ نہیں اور نہ خدا کے عذاب سے کہیں چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس میں اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ اگلے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل کریں کہ ان کو موت و عذاب سے پناہ کی جگہ نہ ملی۔ وہی انجام ان کے بھی سامنے ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ

یعنے قریش سے پہلے اور اگلی امتوں کے جن لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے

ہلاک کیا ان کا انجام عبرت و نصیحت ہے مگر اسی شخص کیلئے جس کے
سینہ میں دل ہو۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ قلب سے مراد عقل ہے۔
فراء کا قول ہے کہ عربی میں یہہ جائز ہے کیونکہ عرب جب کسی کو یہہ کہتے ہیں
کہ "مالك قلب وما قلبك معك" تو اس سے ان کی مراد یہہ ہوتی ہے کہ
تجھے عقل نہیں ہے یا تیری عقل تیرے ساتھ نہیں۔ اس کا مطلب یہہ ہوا کہ
اگلی امتوں کے منکرین کے قصہ سے وہی شخص عبرت حاصل کرسکتا ہے
جس کو عقل ہے۔ مگر قلب سے عقل مراد نہ لیجائے بلکہ اس کے عام معنی دل
ہی لئے جائیں۔ تب بھی اس کے مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا
ماحصل یہہ ہوگا کہ اس نصیحت کا اثر قلب سلیم پر ہوگا یعنے اُس دل پر اس کا
اثر ہوگا جو ضد اور عناد سے خالی اور اُس کے اندر خدا کی طلب و جستجو باقی ہو۔
اس ہدایت سے ایسا شخص بھی فائدہ حاصل کرسکتا ہے جو امور دنیوی میں
مشغول ہوکر کبھی حق کی تلاش و طلب تو نہ کی مگر اس کا دل ضد اور عناد سے
خالی ہے ایسے شخص کے سامنے جب حق پیش ہو اور وہ اس کو توجہہ سے سنے
اور اُس کو سمجھے تو ایسا شخص بھی اس ہدایت سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے کیونکہ
کسی بات کو سننے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک سمعِ قبول جیسے شاگرد استاد کی

اور مرید اپنے مرشد کی اور سعادتمند فرزند اپنے والدین کی بات سنتا ہے۔
دوسرے سمع رَدْ۔ جیسے دفاتر کے اجلاس پر ایک فریق کا وکیل دوسرے فریق
کے وکیل کی بحث سنتا ہے اور پوری توجہ سے سنتا ہے مگر جس غرض سے سنتا ہے
وہ ظاہر ہے بھلا ایسی سمع رد کسی انسان کو کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے۔ کیونکہ
فائدہ حاصل کرنیکے لئے تو سمع قبول کی ضرورت ہے۔ اور یہاں بھی
سمع قبول مراد ہے۔

اس کے بعد پھر آیاتِ قدرت کا بیان ہے کیونکہ خدا ان آنکھوں سے
نہیں دکھائی دیتا مگر اس کی قدرت کی نشانیاں تو ہر وقت انسان کے سامنے ہیں
جو اس کی قدرت کا کمال اور اُس کی وحدت و جلال کی ناقابل انکار شہادت
دے رہی ہیں۔

فَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ
وَ لِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ

برگ درختانِ سبز درنظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ 50-38
وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ 50-39

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ 50-40

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ 50-41

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ 50-42

50-43

نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۙ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ 50-44

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ 50-45

عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ ع ۱۶ ۱۷

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو (کچھ) ہے

(ان سب کو) چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان نہیں ہوئی۔ وہ (کافر)

جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ

تسبیح کیجئے سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے۔ اور رات کے

کچھ حصّے میں (بھی) سجدے کے بعد اس کی تسبیح کیجئے اور سن لیجئے (کہ) اس

دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا۔ اس دن وہ سنیں گے

سخت آواز برحق وہ ان کے (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے بیشک

ہم جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور (سب کو) ہمارے ہی طرف واپس

آنا ہے جس روز زمین ان پر سے پھٹ جائے گی۔ وہ دوڑتے ہونگے

پیدائش کائنات چھ دن میں

یہہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ہم (اس کو) خوب جانتے ہیں۔ آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔ جو شخص عذاب کے وعدہ سے ڈرتا ہے بس اس کو قرآن سے نصیحت کیجئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ہم نے زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ کائنات ہے یہہ سب چھ دن میں پیدا کیا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ چھ دن سے چھ اطوار (یعنی مراتب تکوینی) مراد ہیں کیونکہ دن سے یہاں وہ مراد نہیں لی جاسکتی جو عام طور پر زبان میں رائج ہے کہ اس لئے کہ دن کا اطلاق عموماً اس وقت پر ہوتا ہے جو زمین پر آفتاب نکلنے سے غروب تک ہے۔

اور حالانکہ آسمان پیدا ہونے سے پہلے سورج و چاند ہی نہ تھے۔ تو پھر اس معنی کے لحاظ سے اس پر دن کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے مگر بول چال میں بھی کبھی دن کہکر وقت مراد لیتے ہیں۔ جیسے یہہ کہا جاتا ہے کہ جس دن بادشاہ کو بچہ ہوگا تو بڑی خوشی ہوگی۔ یا یوں کہا جاتا ہے کہ جس دن فلاں شخص مرجائے گا تو بہت رنج وغم ہوگا۔ اگرچہ ہو سکتا ہے کہ یہہ ولادت یا موت رات میں واقع ہو۔

اس سے کسی شخص کی مراد وہی معینہ اور مقررہ وقت نہیں ہوتی بلکہ
مراد محض وقت ہے۔ دن کے عام معنی نہیں۔ اس سے
معلوم ہوگیا کہ دن کی اضافت افعال کی طرف کیونکر ہوتی ہے۔ بس اسی
طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی سمجھ لو کہ یہاں دن سے کیا مراد ہے۔
وَمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ اس آیت کی شان نزول میں واحدی نے
دو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت حسنؒ اور قتادہؒ سے ہے کہ یہود نے
کہا کہ اللہ نے مخلوق کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اور ساتویں دن آرام لیا اور یہہ
ہفتہ کا دن ہے اس لئے شنبہ کو وہ راحت کا دن کہتے ہیں خدا نے ان کے
جواب میں یہہ آیت نازل فرمائی۔ دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ
سے یہہ ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور آسمان و زمین کی پیدائش کے متعلق آپؐ سے سوال کیا تو آپ نے
فرمایا کہ زمین کو اللہ نے یکشنبہ و دوشنبہ کو پیدا فرمایا سہ شنبہ کو پہاڑ پیدا
کئے اور چہارشنبہ و پنجشنبہ کو آسمان پیدا کئے اور جمعہ کے دن تارے
سورج اور چاند پیدا کئے۔ یہود نے کہا پھر اس کے بعد کیا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ
ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کو بھی پوری کرنے کا

پھر اس نے آرام لیا تو بہتر ہوتا۔ یہہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غضبناک ہوئے تو یہہ آیت نازل ہوئی کہ ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب (اسباب النزول للواحدی صفحہ (۲۹۷)

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ۝ یعنے خدا اپنے حبیبؐ پاک کی تسلی کیلئے فرماتا ہے کہ یہود کے ان باطل عقیدوں اور کلمات کفر پر آپ صبر و سکون سے کام لیجئے آپ نے اللہ کا پیام پہونچا دیا اگر اس پر بھی یہہ اپنے باطل عقیدوں سے باز نہیں آتے تو اس کی ذمہ داری خود انہیں پر ہے اور وہ اپنی نالائقیوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔ پس اب خدا کی حجت تمام ہوگئی۔ ان کو چھوڑ کر آپ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝

سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح و تعریف کیجئے تسبیح کے معنی پاکی بیان کرنیکے ہیں جس کا مطلب یہہ ہوا کہ یہود نے اللہ کی شان میں جو نامناسب بات کہی اس کا اثر خدا پر نہیں پڑتا بلکہ اس کا اثر خود انہیں پر پڑے گا۔ کیونکہ اللہ ہر عیب سے پاک و بے عیب ہے۔

"قبل طلوع الشمس وقبل الغروب" کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد فجر و عصر کا وقت ہے اور اس سے نماز فجر اور نماز عصر بھی مراد لیگئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں اور بعض یہہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ دو رکعتیں سورج نکلنے سے پہلے اور دو رکعتیں سورج غروب ہونے سے پہلے۔

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ معراج سے پہلے فرض نمازیں دو ہی تھیں۔ ایک نماز سورج نکلنے سے پہلے فجر کے وقت اور دوسری نماز سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کے وقت۔ رات کا قیام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر سال بھر تک واجب رہا پھر اس قیام لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ ہو گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں باقی رہا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں پانچ نمازیں فرض فرما کر ان سب کو منسوخ کر دیا۔ مگر صبح اور عصر کی نماز بھی انہیں پانچ فرض نمازوں میں داخل ہیں اور یہی دو نمازیں آفتاب کے طلوع و غروب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ کے متعلق دو قول ہیں مجاہد حضرت ابن عباس رضؓ

سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے بعد کی تسبیح ہے۔ اس قول
کی تائید صحیحین یعنے بخاری و مسلم سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے
یہہ روایت ثابت ہے کہ آپؐ سے غریب لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
اہل ثروت کو بڑے مدارج اور اخروی نعمتیں حاصل ہونگی کیونکہ ہماری طرح
وہ بھی نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ صدقہ بھی دیتے
ہیں اور ہم صدقہ نہیں دیتے۔ وہ غلاموں کو بھی آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد
نہیں کرتے تو اس کے جواب میں آپ نے اُن کو یہہ تعلیم دی کہ ہر نماز کے
بعد سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اور اللہ اکبر تینتیس ۳۳ تینتیس بار کہا کریں پھر تم سے
افضل کوئی نہ ہوگا سوا اس شخص کے جو تمہاری طرح یہی عمل کرے۔ حضرت
ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے
مالدار بھائیوں کو بھی ہمارے اس عمل کا علم ہوگیا اور وہ بھی ہماری طرح
عمل کرنے لگے اِس پر آپؐ نے فرمایا کہ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

دوسرا قول یہہ ہے کہ اُدبار السجود سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں
ہیں یہہ روایت حضرت عمرؓ اور سیدنا حضرت علیؓ اور آپکے صاحبزادے حضرت
سیدنا امام حسنؓ اور ابن عباسؓ۔ ابوہریرہؓ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے

مجاہدؒ۔ عکرمہؒ۔ شعبیؒ۔ نخعیؒ۔ حسنؒ اور قتادہؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔
ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؓ نے وکیعؒ اور عبدالرحمنؒ سے اور ان دونوں نے
حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فجر و عصر کے سوا ہر فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث
کو ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے سفیانؒ ثوری سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ
فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
گزاری آپ نے فجر سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر مجھ سے فرمایا کہ اے
ابن عباس رکعتین قبل صلوٰۃ الفجر ادبار النجوم و رکعتین بعد المغرب
ادبار السجود ۔ حضرت ابن عباسؓ کا اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں رات گزارنا
اور اس رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ رکعت پڑھنا صحیحین وغیرہ
سے ثابت ہے۔ مگر یہہ زیادتی غریب ہے (تفسیر ابن کثیر)
وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ اور سن لیجئے کہ اس دن
پکارنے والا نزدیک کے مکان سے پکارے گا اس کی تفسیر میں قاضی
شوکانی کہتے ہیں کہ احوال قیامت کی جو وحی آپؐ پر نازل کیجا رہی ہے
اس کو سنئے اور تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ وفی ذٰلک تہویل و تعظیم لشان المخبر بہ

یعنے اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان رسالت کی ہیبت و عظمت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جن کو واقعات قیامت کی خبر دیجارہی ہے۔ اور ندا سے یہاں صیحۃ القیامۃ ہے لیعنے صور اسرافیلؑ کا نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔

مقاتلؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ اسرافیل حشر کے لئے پکارینگے کہ لوگو حساب کے لئے آؤ۔

مکان قریب سے صخرہ بیت المقدس مراد ہے۔

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَۃَ بِالْحَقِّ اس روز وہ سنیں گے سخت آواز برحق

یعنے وہ آواز اس طرح کی ہوگی کہ اہل محشر کا ہر فرد اسکو صاف سن لیگا۔

ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ یہہ دن قبروں سے نکلنے کا دن ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتا۔ اُس وقت ایمان وانکار دونوں کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسولؐ اور اس دن پر ایمان لائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی پھر اس توبہ کی حفاظت کی اور اچھے کام کئے تاکہ خدا کے سامنے سرخ روئی نصیب ہو۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ یعنے آخرت میں حساب وکتاب کیلئے زندہ کرنیوالا

اور اس دنیا میں موت دینے والا صرف خدا ہے اس مارنے اور جلانے میں بھی کوئی اس کا شریک و مددگار نہیں۔

وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ پھر جی اٹھنے کے بعد سب کو خدا ہی کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں ہر شخص کو خدائے تعالیٰ اس کے عمل کا بدلہ دیگا۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا

روز حشر کی تفصیل ہے کہ اس دن زمین شق ہو جائے گی اور سب لوگ قبروں سے نکلکر حساب وکتاب کیلئے خدا کے سامنے حاضر ہونگے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی برسائے گا جس کے اثر سے قبروں کے اندر سارے اجساد اس طرح نکل آئیں گے جیسے گیلی مٹی میں پانی کے اثر سے دانہ اُگتا ہے۔ اور جب یہ اجساد مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دیگا اور صور کے سوراخوں میں لوگوں کی روحیں محفوظ ہونگی جیسے ہی اسرافیل صور پھونکیں گے روحیں فضا میں نکل پڑیں گی اور ان کو خدا کا حکم ہوگا کہ ہر روح پہلے جس جسم میں تھی اُس میں چلی جائے۔ لہذا ہر روح اپنے جسم میں اس طرح چلی جائے گی جس طرح ایک (لدیغ) بچھو کاٹے ہوئے

شخص کے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے۔ اس کے بعد اُن پر کی زمین پھٹ جائے گی اور وہ اس جگہ کی طرف دوڑیں گے جہاں اعمال کا حساب ہو گا۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ یعنے اُن گوں کا قبروں سے اٹھانا اور حساب کتاب کیلئے سب کو ایک جگہ جمع کرنا اللہ کیلئے کچھ مشکل کام نہیں بلکہ آسان ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ یعنے کفار مکہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور بعث و توحید کا جو انکار کر رہے ہیں اسے ہم خوب جانتے ہیں۔ اس انکار و تکذیب سے نہ تو خدا کا کچھ نقصان ہے اور نہ اس کے رسول کا کچھ بگڑتا ہے بلکہ اس کا انجام خود انہیں کے حق میں برا اور بہت برا ہو گا۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ آپ کا کام صرف پیام پہونچا دینا ہے ان کو اس پیام کے قبول کرنیکے لئے مجبور کرنا نہیں ہے۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ

جو شخص عذاب کے وعدہ سے ڈرتا ہے اس کو قرآن سے نصیحت کیجئے یعنے جو شخص خدا کے پیغام کو غور سے سنے خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لائے

نزول قرآن سے پہلے اہل عرب کی حالت نہایت خراب تھی

قیامت اور حساب و کتاب کا یقین کرے اور عذاب آخرت سے ڈر کر نجات کا طالب ہو تو اس کو قرآن سے ہدایت لیجئے کیونکہ موسیٰ و عیسیٰ کی شریعتیں منسوخ کر دیگئیں اب آپ کی شریعت دنیا میں بھیجی گئی ہے پس نجات کا راستہ اسی کتاب سے معلوم ہوگا یعنے جو شخص اس کتاب پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کتاب میں جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرے پس وہی مستحق نجات ہے۔ اور جو اس پر ایمان نہ لائے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کرے وہ مستوجب نار ہے۔

اس کتاب کے نزول سے پہلے عرب کی حالت پر نظر ڈالو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے بلکہ ان کی اخلاقی حالت بھی نہایت خراب و ابتر تھی۔ ان کی شاعری ان کے کردار کا آئینہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام عیوب جو ایک انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا دیتے ہیں۔ جیسے شراب خواری۔ زنا۔ جوا۔ چوری۔ قتل و غارت گری۔ لوٹ و رہزنی۔ یہہ ایسی برائیاں ہیں جن کو ہر برے سے برا آدمی بھی چھپانا چاہتا ہے مگر یہہ شعراء جاہلیت ان پر فخر و ناز کرتے ہیں۔

جوں ہی یہہ کتاب نازل ہوی عرب کی کایا پلٹ گئی اور وہی عرب جو ننگ انسانیت تھے یکایک مصلح عالم اور نمونۂ انسانیت بن گئے ۔

سیاسی حیثیت سے بھی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہ تھا مگر اسی کتاب کی بدولت یورپ و ایشیا کی دو بڑی بڑی سلطنتیں ان کے آگے جھک گئیں اور قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں پر گر پڑے آج تمام دنیا ے اسلام اور خصوصاً عرب میں جو قرآن حکیم کے اولین مخاطب ہیں ایک عام پریشانی پھیلی ہوئی ہے اور شور مچا ہوا ہے کہ مسلمان خواب غفلت سے جاگ اٹھے اور ان میں اپنی نکبت و ادبار کا احساس پیدا ہوگیا ہے ۔ اور وہ اپنی کھوئی ہوی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے جو قدم بھی وہ اٹھا رہے ہیں وہ غلط اٹھا رہے ہیں ۔ ان کی ہر تدبیر الٹی پڑتی ہے ۔ ہر کوشش ایک نئی گتھی کا اضافہ کر دیتی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ مغرب کے خوشنما پھندوں سے چھوٹنا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے مغرب ہی کے طریقے اختیار کرتے ہیں جو کم از کم مسلمانوں کیلئے تو مفید نہیں ہو سکتے

وہ نئی نئی انجمنیں بناتے ہیں۔ پنڈال سجاتے ہیں۔ ان میں شاندار ڈائس کھڑے کرتے ہیں اور وہاں دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں، مگر ان کے مساجد و منابر سونے پڑے ہیں ان کے خطبے ایک رسمی چیز ہو کر رہ گئے ہیں وہ مفاد اجتماعی کیلئے چندے جمع کرتے ہیں ان کی حکومتیں ضروریات قومی کے لئے نئے نئے ٹکس لگاتی ہیں مگر کوئی بیت المال نہیں قائم ہوتا زکواۃ کی طرف اجتماعی توجہ نہیں ہوتی۔

جماعت افراد سے بنتی ہے اور تا وقتیکہ افراد کے کردار درست نہ ہوں۔ ان کی کوئی جماعت حقیقی معنی میں مفید و کارآمد نہیں ہو سکتی فرض کرو کہ اگر ایک ایسا تالاب بنایا جائے جس میں شہر بھر کی صرف گندی نالیوں کا پانی جمع ہوا کرے تو اس تالاب میں جتنا زیادہ پانی جمع ہوتا جائے گا اتنی ہی گندگی زیادہ ہوتی جائے گی اور اس کے اطراف و جوانب میں بدبو اور امراض پھیلنے لگیں گے۔ بس یہی حالت ہر اس جماعت کی ہے جس کے افراد کے کردار درست نہ ہوں اس لئے ایسی جماعتوں سے اصلاح کی توقع رکھنا ایک خیال خام ہے

لہٰذا ہمارا پہلا فرض اصلاح افراد ہونا چاہیئے۔

ہمارے سامنے اسلامی تاریخ ہے۔ اسلام کے شاندار روایات ہیں منزل مقصود بھی سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ کامیابی انتظار کر رہی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ ہم اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ صراط مستقیم سے منہ موڑ کر ضالین کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں۔

حیرت ہے کہ اس کارزار عالم میں جن کو ہم اپنا حریف مقابل سمجھتے ہیں اپنی تنازع للبقاء میں بھی انہیں کا سہارا لیتے اور انہیں کی پیروی کرتے ہیں نیز ان کی سیاست سے نفرت کرنیکے باوجود ان کی ثقافت کے گرویدہ ہیں۔ اس غلط راستہ پر چل کر اگر ہم نے بالفرض کچھ دنیوی فائدہ حاصل بھی کر لیا تو بڑے گھاٹے میں رہے کیونکہ ہم مسلمان ہیں ہماری ترقی ہمارے دین سے جدا نہیں ؎

ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

ایک مسلمان کی اصلاح کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دو چیزیں عطاء فرمائی ہیں۔ ایک مکمل دستور العمل جس کا نام قرآن حکیم ہے اور ایک اس کا عملی نمونہ جن کا اسم مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

اور ہر مسلمان کی صلاح و فلاح دینی و دنیوی دونوں کا دار و مدار آپ ہی کی اتباع میں مضمر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اسی اتباع کی بدولت ہم کو خدا کی محبوبیت حاصل ہو سکتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا و آخرت دونوں میں کوئی مرتبہ نہیں۔

ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ کی ساری مادی و روحانی ترقیوں کا راز اسی اتباع میں مضمر ہے ہم نے اسی کی بدولت دنیا میں شان و شوکت حاصل کی تھی اور اسی کو چھوڑ کر آج ہر جگہ ذلیل و خوار ہیں ہم پہلے بھی اسی سے بنے تھے اور اب بھی اسی سے بنینگے چاہے آج اس کو اختیار کریں یا صدیوں ٹھوکریں کھانیکے بعد۔ الحاصل اس وقت انسان کو نجات کا راستہ بتانے والی بس ایک ہی آسمانی کتاب دنیا میں موجود ہے جو اس کو اپنا دلیل راہ بنائے اس کو قرآن جنت کی رہنمائی کرتا ہے اور جو اس سے روگردانی کرے قرآن اس کو دوزخ کی طرف ہانک دیتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ابتداء اقسام القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الذٰریٰت

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں ساٹھ ۶۰ آیتیں تین سو ستر ۳۷۰ کلمے اور ایک ہزار دو سو چھیاسی ۱۲۸۶ حروف ہیں (تفسیر نیشاپوری)

اس سورہ کی ابتداء بھی قسم سے ہوی ہے۔ اور علم اقسام القرآن بھی علوم قرآن کے منجملہ ایک خاص علم ہے جس کو مفتاح السعادۃ اور کشف الظنون میں علم تفسیر کے فروع میں شمار کیا گیا ہے۔

امام رازیؒ نے سورۃ الصافات کی ابتداء میں کسی قدر تفصیل سے اور اس سورہ کی ابتداء میں اجمالاً اس علم کے مباحث لکھے ہیں۔ فقیر کے علم ناقص کی حد تک علامہ ابن قیم نے خاص اس علم پر ایک مستقل کتاب مسمیٰ "التبیان" لکھی ہے جو مطبوع اور متداول ہے۔ امام جلال الدینؒ سیوطی نے بھی اپنی مشہور اور بہر العزیز کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں اس عنوان کو ایک خاص نوع قرار دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اقسام القرآن کے متعلق چار امور غور طلب ہیں۔

(۱) قسم کس کے مقابلہ میں کھائی جاتی ہے۔

(۲) وجہ قسم یعنے قسم کیوں کھائی جاتی ہے۔

(۳) مقسم بہ یعنے کن امور کی قسم کھائی جاتی ہے۔

(۴) مقسم علیہ یعنے کن امور پر قسم کھائی جاتی ہے۔

نمبر (۱) کے متعلق گزشتہ سورۃ "ق" کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں قسم کھائی جاتی ہے کیونکہ اپنے مطلب کو حلف اور یمین سے ثابت کرنا عرب کا عام رواج ہے۔ لہذا باقی تین عنوان کا ملخص یہ ہے

وجوہ قسم

(۱) تاکید کلام کیلئے۔

(۲) اتمام حجت کیلئے۔

(۳) کسی کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے۔

(۴) یا کسی منفعت بتانیکے لئے۔

(۵) مخاطب کو خاص طور پر توجہ دلانیکے لئے چنانچہ امام[1] رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ متکلم جب اپنے کلام کی ابتداء قسم سے کرتا ہے تو

[1] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ (۶۲۶)

سامع خیال کرتا ہے کہ متکلم کوئی بڑی بات بیان کر رہا ہے۔ پس اس بات کو زیادہ توجہ سے سنتا ہے بہ نسبت غیر موکد کلام کے۔

(۶) جہاں شہادت موجود ہوتی ہے وہاں قسم کی ضرورت نہیں۔ جہاں شہادت موجود نہ ہو وہاں قسم کھائی جاتی ہے۔

(۷) الایمانُ اللّتی حلف اللہ تعالیٰ بِھا کلّھا دلائل اَخرجھا فی سورۃ الایمان یعنے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ سب اُس کی قدرت کے دلائل ہیں جن کو قسم کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔

مقسم بہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں سات مقامات پر اپنی قسم کھائی ہے باقی اور مقامات میں اپنے مخلوقات کی قسم کھائی ہے۔ اور مصنوع کی قسم دراصل صانع کی قسم ہے کیونکہ مصنوع اپنے صانع پر اور مخلوق اپنے خالق پر دلالت کرتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جہاں مصنوع کی قسم کھائی گئی ہو وہاں مضاف محذوف ہے یعنے والشمس سے مراد آفتاب کی قسم نہیں بلکہ رب الشمس یعنے آفتاب کو پیدا کرنے والے خدا کی قسم ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ خدا نے تین چیزوں کی قسم کھائی ہے۔
اپنے ذات کی۔ اپنے افعال کی۔ اپنے مخلوق کی۔

خیال رہے کہ غیر خدا کی قسم ہمارے لئے شرعاً ناجائز ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ اپنی جس مخلوق کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن کسی اور کو غیر خدا کی قسم کھانا نادرست ہے۔

قرآن کے مقسم علیہ

قرآن کے مقسم علیہ

(۱) اصول ایمان پر جن کی معرفت مخلوق پر واجب ہے قسم کھائی گئی ہے

(۲) توحید پر قسم کھائی گئی ہے۔

(۳) قرآن حق ہونے پر قسم کھائی گئی ہے۔

(۴) رسول کے 〃 〃 〃 〃 〃

(۵) جزاء وعدہ و وعید حق ہونے پر قسم کھائی گئی ہے۔

(۶) انسان کی حالت پر قسم کھائی گئی ہے۔

سورۂ ق و ذاریات کا باہمی ربط و مناسبت

اس سورۃ کی ابتداء اپنی پہلی سورہ "ق" کے آخر سے مناسبت رکھتی ہے

کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حشر کے دلائل بیان کر دیئے اور پھر فرمایا کہ حشر ہمارے لئے آسان ہے۔ اپنے حبیب پاکؐ سے یہ بھی فرما دیا کہ تمہارا کام ایمان کے لئے ان کو مجبور کرنا نہیں بلکہ صرف ہمارا پیام اُن تک پہنچا دینا ہے پھر اُن کے سامنے برہان قائم ہوتے اور قرآن پڑھے جانے کے باوجود بھی وہ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے تو اب سوائے قسم کے اتمام حجت کے لئے کوئی اور صورت باقی نہیں رہی تھی اس لئے اس سورۃ کی ابتدا بھی قسم ہی سے ہوئیؑ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

51-3 وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ
51-6 فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ
51-7 لَوَاقِعٌ ۗ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ
51-8 يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۗ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ
51-10 فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۗ يَوْمَ هُمْ
51-13 عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ
51-14 بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

عہ تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ (۶۲۶)

قسم ہے (خاک واجزائے خاک کو) اڑا لے جانے والی ہواؤں کی۔ پھر
بوجھ اُٹھانے والی (گھٹاؤں) کی۔ پھر نرمی سے چلنے والی (کشتیوں)
کی۔ پھر حکم کے بموجب تقسیم کرنے والے (فرشتوں) کی۔ بے شک جو وعدہ
تم سے کیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور یقیناً اعمال کا بدلہ ملنے والا ہے۔ قسم
ہے راستوں والے آسمان کی بے شک تم مختلف اقوال میں (پھنسے ہوئے)
ہو۔ وہی شخص (بھلائی کی طرف) پھیرا جاتا ہے جو (اس اختلاف سے)
باز رہے۔ اٹکل دوڑانے والے مارے گئے یہ لوگ وہ ہیں جو
غفلت میں پڑے ہوئے (اور بھٹک رہے) ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ جزاء
کا دن کب آئے گا (یعنی قیامت کب ہو گی) اُس دن وہ لوگ آگ
میں جھونکے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ اپنی فتنہ انگیزی
کا مزہ چکھو۔ یہ (چیز) وہی ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔

اس سورۃ کی ابتدا میں جو چار امور بیان فرمائے گئے ہیں اگر ان
امور کو ہواؤں کی صفتیں قرار دیں تو اس سے مراد ان امور کی ترتیب
وجودی ہو گی یعنی اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ قسم ہے ہواؤں کی

جن میں یہہ چار صفتیں یکے بعد دیگرے پائی جاتی ہیں۔ اور اگر ان چاروں کو جدا جدا چار امور کہیں تو اس صورت میں "فاء" قسم میں ترتیب کے لئے ہوگا نہ کہ مقسم بہ کی ترتیب کے لئے۔ گویا اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں اڑالے جانے والی ہواؤں کی۔ پھر قسم کھاتا ہوں بوجھ اٹھانے والے ابر کی۔ پھر قسم کھاتا ہوں آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی۔ پھر قسم کھاتا ہوں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی۔ یہی مطلب درست ہے کیونکہ اس کی تائید دو روایتوں سے ہوتی ہے۔

حاکم نے مستدرک میں ابوالطفیل سے یہہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے امیرالمومنین حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ منبر پر کھڑے ہوئے ارشاد فرمارہے تھے۔ "مجھ سے پوچھو اس سے پہلے کہ پھر پوچھ نہ سکو اور میرے بعد میرے ایسے شخص سے نہ پوچھو گے" (یعنی اس وقت کو غنیمت سمجھو اور جو پوچھنا ہے پوچھ لو ورنہ میرے بعد مجھ سا جواب دینے والا نہ ملے گا) لہذا ابن کواء کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے امیرالمومنین! "مَا الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا" یعنی ذاریات ذروًا کیا چیز ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہوائیں ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ "الحاملات وقرًا"

کیا چیز ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ سحاب یعنی ابر ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ "الجاریات یسراً" کیا چیز ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ کشتیاں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "مقسمات امراً" کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے ہیں۔ پھر ابن کوا نے پوچھا کہ "اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَھَنَّمَ" یعنی خدا کی نعمت کو ناشکری سے بدلنے والے اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر دوزخ میں جھونکنے والے کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس سے قریش کے منافقین مراد ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں صحیح الاسناد بیان کیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے[1]۔

اس کی تائید میں دوسری روایت حافظ ابن کثیرؒ[2] نے اپنی تفسیر میں سعید بن المسیب سے یہ نقل کی ہے کہ صبیغ تمیمی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین مجھے "الذّٰریٰت ذرواً" کے متعلق خبر دیجئے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ ہوائیں ہیں اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان

---

[1] ۔ مستدرک جلد دوم صفحہ (۴۶۷)
[2] ۔ تفسیر ابن کثیر جلد نہم برحاشیہ تفسیر فتح البیان صفحہ (۳۰۷) مطبوعہ مصری ۔

فرماتے ہوئے نہ سنتا تو میں یہ نہ کہتا۔ اس نے کہا کہ "المقسمات امراً" کیا چیز ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا اس سے فرشتے مراد ہیں۔ اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے نہ سنتا تو میں یہ نہ کہتا۔ پھر اس نے پوچھا کہ "الجاریات یسراً" کیا ہیں مجھے بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنتا تو میں یہ نہ کہتا۔ پھر اس کے بعد آپ (یعنی حضرت عمرؓ) نے اس (صبیغ تیمی) کو سو درے مارنے کا حکم دیا اس کے بعد آپ نے اس کو ایک گھر میں نظر بند کر دیا جب وہ چنگا ہو گیا تو اس کو بلوا کر اور سو درے لگوائے۔ پھر آپ نے اس کو سواری کے ساتھ ایک کجاوے میں لاد کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کو اس شخص کے پاس بیٹھنے سے منع کر دو۔ ایک عرصہ تک اس پر عمل رہا۔ یہاں تک کہ (صبیغ تیمی) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے ایمان کا یقین دلایا اور سخت قسم کھائی کہ پہلے میں اپنے جی میں جو بات پاتا تھا وہ اب نہیں پاتا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا تو حضرت عمرؓ نے جواب

جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ اس نے سچ کہا۔ لہذا لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی اجازت دے دو۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہہ حدیث ضعیف ہے مگر صبیغ کا یہ واقعہ مشہور ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے صبیغ کے ترجمہ (یعنی تذکرہ) میں تفصیل سے بیان کیا ہے صبیغ کو سزا دینے کی یہہ وجہہ تھی کہ اس نے شرارت اور عناد سے یہہ سوالات کئے تھے تفقہ یعنی سمجھنے کے لئے نہیں کئے تھے۔

اَن دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی ہوا کے چار وصف مراد نہیں ہیں بلکہ چار علٰحدہ علٰحدہ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ لہذا وجود میں ترتیب نہیں یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ اُن ہواؤں کی قسم جو غبار اڑاتی ہیں اور پھر بوجھ اٹھاتی ہیں۔ اور پھر نرم نرم چلتی ہیں اور پھر تقسیم کرتی ہیں۔ بلکہ مُقسَم بہ میں ترتیب ہے یعنی غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم اور پھر بوجھ اُٹھانے والے بادلوں کی قسم اور آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم۔ پھر فرشتوں کی قسم جو حکم کے بموجب تقسیم کرنے والے ہیں۔

ان دونوں روایتوں کی موجودگی میں ان کے سوا کسی اور معنی کو

ترجیح نہیں دی جا سکتی کیوں کہ حضرت قبلہ قدس سرہ کی اتباع وتقلید میں فقیر کا بھی مطمح نظر یہی ہے کہ تفسیر قرآن میں صرف مستند آثار و احادیث پیش کئے جائیں تاکہ عربی سے ناواقف بھائیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ سلف صالحین ان آیات کے کیا معنی سمجھتے تھے۔ اور فقیر کے نزدیک ضرورت وقت بھی اسی کی متقاضی ہے تاکہ جدید علوم کی روشنی میں قرآن حکیم کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے ان مقدس ذہنیتوں کو بھی پیش نظر رکھیں کہ قرآن حکیم کے اولین مخاطب جن کی تعریف خود اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں فرماتا ہے، انہوں نے ان آیات کا مطلب کیا سمجھا تھا۔ اور برقی روشنی میں قرآن پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ مشکوٰۃ نبوت کے انوار میں قرآن پڑھتے تھے وہ **اس** کے کیا معنی سمجھے تھے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

انسان خود غرض اور کوتاہ اندیش ہے۔ خود غرضی سے چاہتا ہے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر نعماتِ قدرت سے جس قدر لذت حاصل کر سکتا ہے حاصل کر لے۔ مگر کوتاہ اندیشی سے اپنے پر کوئی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا۔ اس کو اچھے بُرے کی تمیز نہیں۔ حق و باطل کی پرکھ نہیں

حُسن و قبح کا اس کے پاس کوئی معیار نہیں۔ کیوں کہ شریعت کی روشنی کے بغیر عقل کا راہوار قدم قدم پر ٹھوکر لیتا ہے۔ اس کی حالت اُس بیمار کی سی ہے جو مضر و مہلک چیزوں کو بھی مزے لے لے کر کھانا چاہتا ہے۔ مگر ایک مہربان و شفیق طبیب انتہائے شفقت سے ان کے نتائج سے قبل از قبل اس کو واقف کرا دیتا ہے بس اسی طرح وہ حکیم مطلق اور ارحم الراحمین بھی کمال حکمت و رحمت سے قسم کھا کر اس کو یقین دلاتا ہے کہ قیامت کا جو وعدہ اس سے کیا گیا ہے وہ پورا ہو کر رہیگا اور اُس روز اُس کو اپنے اعمال کی جزا و سزا ملیگی۔ لہٰذا اے کوتاہ اندیش! عاقبت کی فکر کر اپنی ذمہ داری کو محسوس کر۔ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، مگر یہ سب شریعت کی روشنی میں کرتا کہ ان فانی لذتوں میں پھنس کر ابدی مصیبتوں میں نہ گرفتار ہو جائے لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ

انما توعدون لصادق وان الدین لواقع جس کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں

کہ حساب۔ ثواب۔ عذاب ضروری ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو اعمال کی

جزا دے گا۔[1]

اپنی بات یعنی وعدہ قیامت کی قسم سے تاکید فرما دینے کے بعد منکرین کے قول کے متعلق ارشاد ہوتا ہے جس کی تاکید مکرر قسم سے فرمائی گئی ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ | یعنی قسم ہے راستوں والے آسمان کی کہ

بے شبہ تم مختلف اقوال میں پھنسے ہوئے ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کی خوشنمائی۔ رونق۔ اور عمدگی و یکتائیت ہے۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ سعید ابن جبیرؒ۔ ابو مالک۔ ابو صالح۔ سدی۔ قتادہ عطیہ۔ اور ربیع بن انس بھی اسی کے قائل ہیں۔

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس سے ساتواں آسمان مراد ہے۔

حباک دراصل ریت کے ٹیلہ کے راستہ کو کہتے ہیں جس کی جمع حُبُک "والسماء ذات الحبك" کے معنی قسم ہے راستوں والے آسمان کی یعنی آسمان کی جس پر ستاروں کے گزرنے کے راستے ہیں یہ لفظ مضبوطی۔ قوی اور عمدگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔[2]

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۶ صفحہ (۱۱۷)۔
[2] مصباح اللغات۔

منکرین کی اختلاف بیانی جس کا ذکر اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے وہ کسی ایک امر کی حد تک نہیں بلکہ تینوں اصولی امور میں پائی جاتی ہے کیوں کہ امرِ حق ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے جب ہوائے نفسانی اور اغوائے شیطانی کی وجہ کوئی شخص حق سے روگرداں ہو جائے تو لا محالہ اس کے اعتقادات اس کے اقوال اور اس کے خیالات میں بھی اختلاف ہوگا۔

اسی قانونِ قدرت کے بموجب منکرین قریش بھی کسی ایک بات پر قائم نہ رہ سکے اور جو ایک بات پر قائم نہیں رہتا وہ کسی عقیدہ میں بھی یکا نہیں ہوتا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے اعتقاد میں کچے ہیں اور جو اپنا یہ یقین ظاہر کرتے ہیں وہ محض نمائشی اور شدتِ عناد کے سبب ہے لہٰذا توحید[۱] ۔ رسالت[۲] اور قیامت[۳] تینوں کے متعلق ان کے بیان میں اختلاف و تناقض موجود ہے ۔

توحید کے متعلق ان کی اختلاف بیانی یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ خدا معبودوں کا معبود یعنی الٰہ الآلہہ ہے ۔ جب وہ زمین و آسمان کا خالق خدا ہے تو زمین و آسمان پر جو کچھ ہے

ان سب کا خالق بھی خدا ہی ہوا۔ پھر یہہ معبود بھی اسی کے مخلوق ہوئے لہذا مخلوق کو خالق کے ساتھ الوہیت میں شریک کردینا صرف اپنی جہالت و حماقت کا ثبوت دینا ہے۔

رسالت[۲] کے متعلق منکرین کی اختلاف بیانی یہہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی امین، کبھی جھوٹا (معاذ اللہ) کبھی مجنون (معاذ اللہ) کبھی شاعر، کبھی ساحر کہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے بارے میں بھی کسی ایک بات پر قائم نہیں بلکہ ان کے بیان میں تناقض ہے ایک طرف وہ آپ کو (معاذ اللہ) مجنون کہتے ہیں دوسری طرف یہہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ہم پر قوت جدل سے غالب آئے ہیں حالاں کہ کوئی مجنون ایک منظم اور معجز کلام کی کیسے قدرت رکھ سکتا ہے۔

قیامت[۳] اور حشر کے متعلق بھی ان کی بات میں اختلاف و تناقض ہے کیوں کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ حشر نہ ہوگا اور مرنے کے بعد حیات نہیں۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباو اجداد کو اسی طریقہ پر پایا۔ جب موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اور میت کو کوئی شعور نہیں ہوتا تو پھر ایسی حالت میں وہ اپنے آبا کے خلاف کریں تو ان کے مردوں کو کیا

نقصان پہونچے گا۔ یہہ تو وہی کہہ سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ موت کے بعد عذاب ہوگا ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جو ان مردہ بزرگوں کو بری معلوم ہو لہذا ان کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہم اپنے آباء کو گمراہی کی طرف منسوب نہ کریں گے ان کی پہلی بات کے صریحی متناقض [1] ہے۔

یؤفك عنه من افك اس ضمیر کے متعلق اختلاف ہے۔ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ والضمیر للرسول [1] صلی اللہ علیہ وسلم او [2] والقرآن او [3] الایمان۔ او یصرف [4] من اصرف فی علم اللہ وقضائه و [5] یجوز ان یکون الضمیر للقول۔ اور اسی لحاظ سے اس آیت کی تفسیریں بھی مختلف کی گئی ہیں۔ امام رازیؒ نے اس کی چار توجیہیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہہ مومنین کی تعریف ہے کہ وہ اس قول مختلف سے (جن میں کفار پھنسے ہوئے ہیں) علیحدہ ہیں اور ہدایت اور درست بات پر قائم ہیں۔

(۲) یہہ کافروں کی مذمت ہے کہ وہ رسولؐ سے الگ اور جدا ہیں۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ (۶۳۰)۔

(۳) قول قیامت کے بارے میں یہ علحدہ ہیں۔

(۴) قران سے الگ ہیں۔

فقیر کے خیال میں پہلی توجیہ زیادہ قرین صواب ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع بالکل قریب ہے اور مرجع قریب کو چھوڑ کر بلا وجہ مرجع بعید کو اختیار کرنا ایک حد تک تکلّف ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ منکرین قریش کو خطاب کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنی بے جا ضد وعناد سے ان اختلافات اور خرافات میں پھنس کر تم اپنی عاقبت برباد کر رہے ہو حالانکہ وہی شخص بھلائی کی طرف پھیرا جاتا ہے جو امرحق کو قبول کرے اور ثابت قدمی سے اس پر زندگی بھر قائم رہے اور جو لوگ حق کو چھوڑ کر محض اٹکل دوڑاتے ہیں ان کا انجام بیان فرماتا ہے کہ

قتل الخراصون اٹکل دوڑانے والے مارے گئے۔ "خرص" کے معنی درخت وغیرہ سے ثمرہ کا اندازہ کرنا کہ کتنا ہوگا جس کو حیدرآباد میں انجنا کہتے ہیں۔ چنانچہ محیط المحیط میں لکھا ہے کہ الخرص اسم من خرص تقول کم خرص ارضك ای کم قدرها یہ اندازہ چونکہ غیر یقینی ہوتا ہے اس لئے خراص جھوٹے کے معنی میں بھی

آتا ہے۔ الخرّاصون ای الکذابون یعنی خراص معنی جھوٹا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خراصون سے مراد الذین یقولون لانبعث ولا یوقنون یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پھر نہ اٹھائے جائیں گے اس لئے کہ وہ اٹکل سے یہ کہتے ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں ہے کیوں کہ ایسا یقین یا تو مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے یا دلیلِ عقلی سے یا مخبر صادق[1] کی خبر سے چوں کہ ان کے پاس یہ سب مفقود ہیں اس لئے یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں محض اٹکل سے بلا یقین کہہ رہے ہیں۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "لعن المرتابون" یعنی شک کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے[2] یعنی امرِ حق کی مخالفت میں جو لوگ ضد و عناد اور ہٹ دھرمی سے محض اٹکل پچو باتیں بنایا کرتے تھے ان کو یہ بد دعا ہے کہ ان پر لعنت ہو۔

فقیر کا خیال ہے کہ قرآن حکیم کی رو سے انسان محض اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اچھے کام کرے، مگر خدا کے پاس اچھے کام وہی ہیں جو اس قانون کے بموجب ہوں جس کا دوسرا نام شریعت ہے اور شریعت پر عمل کرنا بھی اس وقت

---

[1] محیط المحیط۔ [2] تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۱۱۹۔

فائدہ دیتا ہے جبکہ حسب ذیل شرائط پوری ہوں :۔

(۱) عمل کرنے والا خدا کی وحدانیت کا دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرے یعنی الوہیت و ربوبیت کو صرف اسی ایک ذات میں منحصر اور اس کو وحدہ لاشریک لہ مانے۔ (توحید)

(۲) صاحب شریعت یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم المرسلین و خاتم النبیین ہونے کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے (رسالت)

(۳) قرآن مجید کے کامل اور خدا کی فرستادہ کتاب ہونے پر ایمان لائے۔

(۴) قیامت اور سزا و جزاء پر ایمان رکھتا ہو۔

(۵) جن امور پر ایمان لانا ضروری ہے ان کے ایقان و اقرار کے بعد جو عمل کرے وہ نیت اور ارادے سے خالصاً لوجہ اللہ کرے اور ہر عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ قرار دے۔

ان پانچ شرطوں کی تکمیل کے بعد شریعت کے مطابق جو عمل ہو وہ عمل صالح اور قابل قبول ہے ورنہ شرعاً کوئی عمل خدا کے پاس قابل قبول نہیں کیوں کہ ایمان اصل ہے اور عمل فرع اور فرع بغیر اصل کے ناقابل قبول ہے۔ لہذا

جن لوگوں نے ان شرائط کی تکمیل نہیں کی اور جو ان امور پر ایمان نہیں لائے بلکہ ضد و عناد سے اٹکل پچو باتیں بناتے رہے انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی پورا نہ کیا اور جب مقصد حیات ہی پورا نہ ہوا تو ان کی یہ زندگی زندگی نہیں بلکہ قتل ہے کیوں کہ یہ ان کا خود کردہ فعل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اگر اسی زجر و تنبیہہ پر یہ سارا معاملہ ختم ہو جاتا تو چنداں قباحت نہ تھی۔ لیکن یہ بات اسی حد تک نہیں رہی بلکہ ان کو اس انکار و عناد کی سخت ترین سزا دی گئی کیوں کہ روحانیات میں اعلیٰ ترین مرتبہ قُرب الٰہی اور سب سے بدترین مرتبہ اللہ سے دوری ہے جس کو عربی میں "لعنت" کہتے ہیں۔ چنانچہ شیطان نے جب خدا کی نافرمانی کی تو اس کو یہی سزا دی گئی کہ ان علیك لعنتی الی یوم الدین۔ پس کسی پر لعنت بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو خدا نے اپنے سے دور اور اس مردود ازلی کے گروہ میں داخل کر دیا اور اس کا حشر بھی اسی کے ساتھ ہوگا جس کو پہلے سے ہی بتا دیا گیا ہے کہ دوزخ کو تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے بھر دوں گا۔ اس کے بعد ان منکرین خدا و رسول اور متبعین نفس و شیطان کا دوسرا وصف بیان فرماتا ہے۔ کہ

الذین ھم فی غمرۃ ساھون

یعنی یہ لوگ وہ ہیں جو آخرت کو بھول گئے ہیں۔ ان کے دلوں پر جہل و ضلالت کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ ان کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں۔ ان کی عقلوں پر تاریکی چھا گئی ہے یہ اپنے اقرار ازلی کو بھول گئے۔ انجام سے بے خبر۔ ایمان سے بے بہرہ۔ عمل سے کورے۔ حقیقت اور ایک اٹل حقیقت کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یسئلون ایان یوم الدین

اور پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی ان ناعاقبت اندیش احمقوں کے اس نامعقول استہزائی سوال کا جواب ان ہولناک الفاظ میں ادا فرماتا ہے کہ

یوم ھم علی النار یفتنون

یعنی اس دن وہ آگ میں جھونکے جائیں گے اور عذاب کے فرشتے ان سے کہیں گے کہ

ذوقوا فتنتکم ھذا الذی کنتم بہ تستعجلون

یعنی اپنی فتنہ انگیزی کا مزہ چکھو یہ وہی چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔ عکرمہؒ کہتے

ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا یعنی وہ آگ
میں جلائے جائیں گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سونے کو جب آگ میں ڈالا
جاتا ہے تو کہتے ہیں فُتن (الذہب) حافظ ابن جریر بھی اسی کو ترجیح
دیتے ہیں[1] یعنی منکرین قریش جو دنیا اور اس کے مزخرفات میں پھنس کر
قبول حق سے انکار کرتے اور جزا و آخرت کا مذاق اُڑانے کے لئے پُوچھ
رہے ہیں کہ قیامت کب آئے گی اور اعمال کا بدلہ کب ملے گا تو اس کا
جواب رب العالمین نے اس سورۃ کے آغاز میں ایک نہیں چار قسمیں
کھا کر دے دیا کہ وہ ضرور آئے گی اور مقررہ وقت پر آئے گی۔ اب اگر
وہ اس پر بھی نہ مانیں تو ان کے اس سوال کا جواب دوزخ کے فرشتے ان کو
آگ میں جھونک کر اس وقت دیں گے کہ یہ وہی عذاب ہے جس کا تم کو
یقین نہ تھا جس کا تم مذاق اڑاتے تھے اور جس کے لئے تم جلدی کرتے
تھے۔ یہ جواب ایسا ہوگا جس سے نہ تو انکار کی گنجائش رہے گی اور نہ
توبہ و ایمان کا وقت باقی رہے گا۔ اس لئے وقت کو غنیمت سمجھو اس
سے فائدہ اٹھاؤ۔ خدا اور رسول خدا پر ایمان لاؤ اور ان کی اطاعت کرو۔
منکرین کے انکار اور ان کے انجام کو بیان فرمانے کے بعد مومنین

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۱۲۱ –

متقین کا انجام اور ان کی جزاء کو بیان فرماتا ہے ۔ یعنی ترہیب کے بعد ترغیب ہے تاکہ جن دلوں میں صلاحیت قبول پنہاں ہے وہ اجاگر ہو جائے اور کم از کم ان نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے شوق میں راہ ہدایت اختیار کریں ۔ اور خود عام مومنین بھی آخرت میں مدارج علیا حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں اور اپنی حیات دنیوی سے جس قدر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اٹھا لیں کیوں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ۙ اٰخِذِينَ مَآ اٰتٰهُمْ 51-15
رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۭ كَانُوْا قَلِيلًا 51-16
مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ 51-17
51-18
وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ 51-19

بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے ۔ ان کا پروردگار جو ان کو عطا فرمائے وہ اس کو لے رہے ہوں گے ۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے نکوکار تھے ۔ رات کو تھوڑی دیر سویا کرتے تھے ۔ اور سحر کے وقت مغفرت طلب کیا کرتے تھے اور ان کے مال و دولت میں سوال کرنے والوں اور (تنگ دست) سوال نہ کرنے والوں (دونوں)

کا حق تھا۔

ان المتقین فی جنت وعیون

متقی وہ شخص ہے جو تقوی اختیار کرے اور تقوی کے معنی پرہیزگاری کے ہیں اور عرف شریعت میں اس سے مراد حفظ النفس عما یوثم یعنی شریعت میں گناہوں سے بچنے کو تقوی کہتے ہیں[1] مطلب یہ ہے کہ پرہیزگاری کو تقوی اور پرہیزگار کو متقی کہتے ہیں۔ تقوی کے مراتب مختلف ہیں:۔

(۱) کفر و شرک سے پرہیز کرے۔ یہ پہلا اور سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔

(۲) گناہوں سے پرہیز کرے یعنی منہیات سے پرہیز کرے اور اوامر کی خلاف ورزی ترک کر دے۔

(۳) مکروہات و محظورات سے بچے۔

(۴) مشتبہ کو چھوڑ کر غیر مشتبہ کو اختیار کرے۔

(۵) اگر دو بھلائیوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو تو مرجوح کو چھوڑ کر راجح یعنی اولیٰ کو اختیار کرے یعنی سنت غیر موکدہ کے مقابلہ میں سنت موکدہ کو اور مندوب کے مقابلہ میں مستحب کو اختیار کرے۔

(۶) اگر دو برائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار پر مضطر ہو تو کمتر برائی کو

---

[1] مفردات راغب ص ۵۵۲ مطبوعہ مصر

اختیار کرے۔

(۷) بعض مباحات سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ ارشاد مبارک ہوتا ہے کہ

الحلال بین الحرام بین ومن رتع حول الحمی فحقیق ان یقع فیہ[1]۔

(۸) دنیا یعنی ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو خدا کی یاد سے غفلت پیدا کرنے والی ہے۔

(۹) ماسوی اللہ سے پرہیز کرے یعنی اپنے قلب کو خدا کے لئے غیر خدا سے خالی کرلے۔

(۱۰) خود اپنے علم سے بھی پرہیز کرے یعنی اپنے خالق کی یاد میں اس طرح محو ہو کہ ذاکر کو خود اپنی اور اپنے ذکر دونوں کا شعور باقی نہ رہے۔ مگر خیال رہے کہ یہ علم کی گھاٹی بقول امام غزالیؒ سالک کے لئے سب سے بڑی گھاٹی ہے۔ وللہ در من قال ؎

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بیخبری رہی

سالک جب اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا علم اور اس کا ارادہ

[1] مفردات راغب ص ۵۵۲ مطبوعہ مصر

خدا کے علم اور خدا کے ارادے میں فنا ہو جاتے ہیں اور مشیت ایزدی کے تحت اس کی حالت کالمیت فی ید الغاسل کی سی ہو جاتی ہے۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

ان مراتب مختلفہ کے لحاظ سے اہل جنت کے مدارج بھی مختلف ہوں گے اس لئے فرماتا ہے کہ

اٰخذين ما اٰتهم ربهم	یعنی متقیوں کو ان کا پروردگار جو عطا فرمائے وہ لے رہے ہوں گے۔ اس سے

ظاہر ہوا کہ جنت میں ہر متقی کو اس کے مرتبے کے لحاظ سے سرفرازی ہوگی۔

اس کے بعد اپنے مقبول بندوں کی تعریف و توصیف میں فرماتا ہے:

انهم كانوا قبل ذالك محسنين	بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نکوکار تھے یعنی دنیا میں بھی

نکوکار تھے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو جو نعمتیں عطا فرما رہا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبادت و ریاضت اور نفس کشی سے ان نعمتوں کو قبول کرنے کی صلاحیتیں بھی پہلے سے پیدا کر لی تھیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جس نے کاشت

نہ کی اس نے اپنی عمر ضائع کی اور کاشت کرنے والوں میں بھی جس نے جس چیز کی کاشت کی اس کو وہی ثمرہ ملے گا۔ جس نے گیہوں بویا وہ گیہوں حاصل کرے گا اور جس نے جوار بویا وہ جوار کاٹے گا۔ اور جس نے زعفران کی کاشت کی وہ زعفران حاصل کرے گا۔ جوار بونے والا زعفران کا ثمرہ نہیں حاصل کر سکتا۔ بس اسی پر اہل جنت کے مراتب کے فرق کا بھی اندازہ کرو۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے جنت اور عیون کے بعد کسی خاص چیز کی صراحت نہیں فرمائی بلکہ ایک عام لفظ فرمایا کہ ان کا پروردگار ان کو جو عطا فرمائے گا وہ لے رہے ہوں گے۔ بے شک سب خدا کی مخلوق ہیں اور محض اس حیثیت سے رب کو اس سے یکساں نسبت ہے مگر فیضان الٰہی بہ لحاظ استعداد ہوتا ہے ع دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر۔

اس کے بعد اپنے ان بندوں کے تین اوصاف علیحدہ علیحدہ بیان فرماتا ہے۔

(۱) كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ	یہ رات کو تھوڑی دیر سویا کرتے تھے حضرت ابن عباس رض

اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ما یاتی علیھم لیلۃ ینامون حتیٰ یصبحوا الا یصلون فیھا یعنی صحابہ کرام رض پر کبھی کوئی رات ایسی نہیں

گزری کہ بغیر نماز پڑھے وہ رات بھر سوتے رہے ہوں۔ خیال رہے کہ اس نماز سے مراد عشاء کے فرض و واجب نہیں بلکہ اس سے مراد نوافل تہجد ہیں اس کے بعد صحابۂ کرام کا دوسرا وصف بیان فرماتا ہے۔

(۲) وبالاسحار ھم یستغفرون | اور وہ سحر کے وقت مغفرت طلب کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ یستغفرون کے معنی یُصلون ہیں۔ یعنی یہاں استغفار سے نماز مراد ہے۔ اور ابن مردویہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر شب میں تہجد پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "وبالاسحار ھم یستغفرون"۔

صحابہ کرامؓ کے متعلق "رات کو کم سوتے ہیں" بیان فرمادینے کے بعد ان کے اس وصف کو خاص طور پر علیحدہ بیان فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کے آخر حصے میں چوں کہ عموماً نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور جاگنا نفس پر شاق گزرتا ہے اس لئے صحابہ کرام کی ادا اُس مالک بے نیاز کو پسند آئی کہ لوگ جب خواب غفلت کے مزے لیتے ہیں اُس وقت یہ عاشقانِ مولیٰؓ اپنے

مالک کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی زندگی ہمارے لئے نمونۂ عمل ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس کو ہم صراط مستقیم اور ان لوگوں کا راستہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں جن پر خدا کا انعام ہے اور جس پر چلنے کی ہدایت کے لئے ہر نماز میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں۔ لہٰذا جو بھائی شب بیداری کے لئے رات کے دو حصے کرتے ہوں ان کو چاہیئے کہ رات کے دوسرے نصف میں اور جو رات کے تین حصے کرتے ہوں یعنی دو حصے آرام کرتے اور ایک حصہ شب بیداری کرتے ہوں وہ رات کے اس تیسرے حصے میں تہجد کی نماز ادا کریں کیوں کہ حضورؐ انور کا ارشاد مبارک ہے کہ آخر حصے میں نماز پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

صحابہ کرامؓ کی عباداتِ بدنی کے بعد ان کے تیسرے وصف یعنی ان کی مالی عبادت کو بیان فرماتا ہے۔

(۳) وفی اموالھم حق للسائل والمحروم	اور ان کے مال و دولت

میں سوال کرنے والوں اور (تنگ دست) سوال نہ کرنے والوں دونوں کا

حق ہے۔

سائل سے عرف عام میں وہی شخص مراد ہے جو سوال سے ابتدا کرے اور وہ مستحق ہو۔ مگر محروم سے مراد ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کے پاس وہ محارب لڑنے والا ہے جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ وہ کوئی کسب اور پیشہ کرتا ہو جس سے وہ اپنی قوت بسری کر سکے۔ مگر ضحاکؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا مال جاتا رہا ہے۔ ابوقلابہ کا بیان ہے کہ یمامہ میں ایک سیلاب آیا اور ایک شخص کا مال بہالے گیا تو ایک صحابی نے اس شخص کے متعلق فرمایا کہ یہ محروم ہے۔ قتادہ اور زہری کہتے ہیں کہ المحروم الذی لا یسال الناس یعنی محروم وہ ہے جو لوگوں سے نہ مانگے[1]۔

شعبی کہتے ہیں کہ محروم کے معنی میری سمجھ میں نہ آئے۔ ابن جریر نے محروم کے یہ معنی کئے ہیں کہ محروم وہ شخص ہے جس کا کسی ذریعے سے کوئی مال نہ ہو اور اس کا مال جاتا رہا ہو۔ خواہ وہ کمانے کی قدرت رکھتا ہو۔ یا اس کا مال تباہ ہو گیا۔ یا اسی طرح کی کوئی اور آفت

---

[1] تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۱ بر حاشیہ فتح البیان۔

اس کو پیش آ گئی [1]

امّ المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد وہ محارف (کم نصیب) ہے جس کو کوئی کام نہ ملے [2] یعنی محارب کی بجائے حضرت بی بی عائشہ محارف فرماتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر اس آیۃ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وصف نماز کو بیان فرمانے کے بعد ان کی زکوٰۃ نیکی اور صلہ رحمی کو بیان فرمایا مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے سوا وہ مال ہے جو صلہ رحمی یا کسی مہمان کی ضیافت یا کسی محروم کی مدد میں خرچ کیا جائے یعنی حضرت ابن عباس اس سے مالی عبادت نافلہ مراد لیتے ہیں۔ فقیر کے خیال میں بھی یہی مرجح ہے کیونکہ پہلے جس عبادت بدنی کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی عبادت نافلہ ہے۔ جہاں بدنی عبادت نافلہ بیان فرمائی وہاں مالی عبادت بھی نافلہ ہی بیان فرمائی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

اپنے ان مقبول بندوں کی عبادت بدنی اور مالی کو بیان فرما دیا

---

[1] تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۱ برحاشیہ فتح البیان

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ان کے اوقات بیان فرمائے۔ ان کے مال کے مصارف بتائے تاکہ دوسروں کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ہو۔ مگر ان کی معرفت کو نہیں بیان فرمایا حالاں کہ مقصود اصلی یہی ہے جس کی وجہ فقیر کے خیال ناقص میں یہ ہے کہ ہر سالک کی معرفت بجائے خود اس کا ایک ایسا راز ہوتی ہے جس کا اظہار وہ عام طور پر پسند نہیں کرتا چنانچہ سالکوں کے آقا و مولا ہادی اعظم و پیشوائے معظم عارف اکمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مقام پر "ما عرفناك حق معرفتك" فرماتے اور معرفت پر "ما" کا پردہ ڈال دیتے ہیں لہٰذا جب آقا و مولا ہی نے اس قدر احتیاط سے کام لیا تو غلاموں کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کے متعلق کچھ کہنے کی بھی جرأت کر سکیں۔ بس ہر سالک اس راز کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ محبوب بے نیاز بھی اپنے پیارے بندوں کے اس راز کو راز ہی رکھنا پسند فرماتا ہے اس لئے اپنے ان مقبول بندوں کی عبادت کا ذکر تو فرما دیا اور معرفت نہیں بیان فرمائی بلکہ اس کے حصول کے صرف طریقے بتا دیئے کہ جو ان پر عمل کرے گا وہ اپنی استعداد کی حد تک معرفت حاصل کر لے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

51-20 وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

51-21

یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں (موجود) ہیں اور تمہارے

نفوس کے اندر (بھی) کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتیں۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ بہ لحاظ عبادت و معرفت اہل جنت کے مدارج مختلف ہیں اور اسی لحاظ سے ان میں قبول نعمات کی استعدادیں بھی مختلف ہیں اور اسی لحاظ سے ان پر حسب مراتب فیضان الٰہی بھی ہوگا اس لئے قرآن حکیم انہیں دو۲ باتوں یعنی عبادت و معرفت پر بار بار توجہ دلاتا ہے اور اس کے طریقے اور ذرائع بیان فرماتا ہے تاکہ ان سے کام لے کر ہر شخص روحانی ترقی حاصل کرے اور اس حیات دنیوی کا اصلی مقصد و منشا پورا ہو۔

قرآن حکیم نے معرفت الٰہی کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں:۔

(۱) سیر فی الآفاق۔

(۲) سیر فی الانفس۔

سیر فی الآفاق میں کائنات علوی۔ کائنات جوّ (فضائی) اور کائنات سفلی

تینوں داخل ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں زمین کی نشانیوں یعنی کائناتِ سفلی پر توجہ دلائی گئی ہے۔ کیوں کہ انسان اسی پر پیدا ہوا۔ اسی میں رہتا سہتا اسی سے اپنی اکثر ضروریات پوری کرتا اور پھر اسی میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے نکل کر اس کو اپنے خدا کے آگے حساب و کتاب دینے حاضر ہونا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ یہ نشانیاں اُنھیں لوگوں کے لئے ہیں جو یقین رکھتے ہیں یعنی شک کے مریض اور انکار کے خوگر ان نشانیوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ معرفت انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو یقین کی نعمت سے بہرہ ور ہیں اس تخصیص کی وجہ فقیر کے خیال ناقص میں یہ ہے کہ "یقین" اگرچہ کہنے کو ایک چار حرفی اور آسان لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں بظاہر ایک عامی اور اَن پڑھ کو بھی کسی فکر یا غور و تامل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر حقیقت میں تمام علوم اور مذاہب کا مدار اسی پر ہے۔ بہ الفاظ دیگر گویا یہی وہ نقطہ ہے جس پر ہر علم کی انتہا اور جس سے ہر مذہب کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے یہاں بھی اس کی قید لگائی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسی سبب سے یقین کی تعریف میں علما حکمت۔ علمائ شریعت۔ علماء

طریقت میں باہم اختلاف ہے لہٰذا اس آیۃ کی تفسیر میں حسب ذیل امور غور طلب ہیں :۔

(۱) یقین کے لغوی معنی اور اس کی اصطلاحی تعریف ۔
(۲) موجبات یقین یعنی کن چیزوں سے یقین حاصل ہوتا ہے۔
(۳) مراتب یقین ۔
(۴) اس آیتِ کریمہ میں کن امور کو نشانیوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے
(۵) یہ نشانیاں کن امور کی رہنمائی کرتی ہیں۔

یقین کے لغوی معنیٰ لسان العرب میں لکھا ہے کہ الیقین العلم وازاحۃ الشّك وتحقیق الامر۔
وقد ایقن یوقن ایقاناً فھوموقن۔ والیقین نقیض الشك والعلم نقیض الجھل ۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ الیقین من صفت العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا۔ یقال علم یقین ولا یقال معرفۃ یقین وھوسکون الفھم مع ثبات الحکم وقال علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین وبینھا

فروق۔ یقال استیقن وایقن قال تعالٰی ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین وفی الارض آیات للموقنین لقوم یوقنون۔

یقین کے اصطلاحی معنی الیقین بالقاف کالکریم ھو فی عرف علماء الرسوم الاعتقاد الجازم المطابق الثابت ای الذی لا یزول بتشکیک المشکک۔ فبالاعتقاد خرج الشک وبالجازم الظن وبالمطابق الجھل المرکب وبالثابت اعتقاد المقلد کذا فی شرح شرح النخبۃ فی بحث التواتر الخبر۔

"وبالاخرۃ ھم یوقنون" کی تفسیر میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یقین وہ علم ہے جو نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے اس لئے خدا کا علم اس وصف سے موصوف نہیں ہوتا

اعلم ان الیقین اعتقاد بسیط بالحقیقۃ وقال فی القطبی ان الیقین ھو اعتقاد التی بانہ کذا مع اعتقادہ بانہ لا یمکن ان یکون الا کذا۔ اعتقادًا مطابقًا ثابتًا

غیر ممکن الزوال فالقید الاول یخرج الظن والثانی الجھل المرکب والثالث اعتقاد المقلد[1]

یعنی یقین دو اعتقادوں سے مرکب نہیں ہوتا بلکہ یقین ایک بسیط اعتقاد ہوتا ہے مگر یہ ایسا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر معتقد اس پر اس طرح توجہ کرے کہ اس کا یہ اعتقاد واقعے کے مطابق ہے یا نہیں تو اس اعتقاد کی عدم مطابقت کا احتمال بھی پیدا نہ ہو۔ بخلاف ظن یعنی گمان کے جس میں ایک نقیض کا حکم ہوتا ہے لیکن دوسرے نقیض کا احتمال بھی باقی رہتا ہے لہذا شک۔ظن۔وہم اور جہل مرکب اور تقلید مخطی و مصیب دونوں کی تصدیق اس سے خارج ہوجاتی ہے۔

موجبات یقین یعنی جن سے یقین حاصل ہوتا ہے وہ قضایا ہیں جن سے تصدیق یقینی حاصل ہوتی ہے کیوں کہ قیاس یقینیات سے مرکب ہوتا ہے خواہ وہ یقینیات بدیہی ہوں یا ایسے نظری ہوں جن کی انتہا بدیہی پر ہو۔

عام طور پر فلاسفہ کے پاس بدیہیات کی حسب ذیل چھ قسمیں مشہور ہیں

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون جلد ثانی صفحہ (۱۵۳۵)۔

(۱) **اولیات** :- یعنی وہ قضایا جن پر محض توجہ یا ان کا تصور کرنے سے بغیر کسی واسطے کے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے کُل جزء سے بڑا ہے۔

(۲) **فطریات** :- یعنی وہ قضایا جن میں ایک واسطے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ واسطہ ذہن سے کبھی غائب نہیں ہوتا جیسے چار جُفت ہے۔

(۳) **حدسیات** :- یعنی وہ قضایا جن میں ذہن بغیر حرکت فکری کے مَبدا سے مُنتہا تک ایک دم میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسے انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے علوم ہوتے ہیں۔

(۴) **مشاہدات** :- یعنی وہ قضایا جن میں مشاہدہ اور حواس کے واسطے سے حکم ہوتا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اگر حواسِ ظاہری کے واسطے سے حکم ہو تو ان کو حسیات کہتے ہیں اور اگر حواس باطنی کے واسطے سے حکم ہو تو ان کو وجدانیات کہتے ہیں۔

(۵) **مجربات** :- یعنی وہ قضایا جن میں تکرار مشاہدہ کی بنا پر حکم لگایا جاتا ہے۔ جیسے کونین ملیریا کے لئے مفید ہے۔

(۶) **متواترات**:۔ یعنی وہ قضایا جن میں کسی ایسی جماعت کی خبر کے واسطے سے حکم لگایا جاتا ہے جس کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عقلاً یا کم از کم عادۃً محال ہو۔

بعض لوگوں نے وہمیات کو بھی اس میں داخل کر کے ان کی تعداد سات بتائی ہے۔ بعض نے ان کو اوّلیات اور حسیات میں منحصر کر دیا ہے اور فطریات کو اولیات میں باقی اور اقسام کو حسیات میں شامل کر دیا ہے۔ اور حسیات سے یہ مراد لی ہے کہ جس میں حس کا دخل ہے اور بعض لوگوں نے ان کی تین ۳ قسمیں بیان کی ہیں۔ اولیات ۱۔ حسیات ۲۔ وجدانیات ۳۔ مگر یہ سب لفظی بحثیں ہیں البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ انہیں قضایا سے برہان کی ترتیب ہوتی ہے یا ان پر برہان کی تحلیل ہوتی ہے اور برہان کی تعریف شیخ الرئیس کے الفاظ میں یہ ہے:

البرهان قياس مولف من يقينيات لانتاج يقيني واليقينيات اِمّا الاولیات ۱ وما جمع معها واِمّا التجربيات ۲ واِمّا المتواترات ۳	برہان وہ قیاس ہے جو یقینیات سے مرکب ہو تاکہ یقینی نتیجہ نکلے اور یقینیات یا تو اولیات ۱ اور اسی قبیل کے قضایا ہوں گے یا تجربیات ۲ یا متواترات ۳

واما المحسوسات[4] وقد فهمناها واما الذائعات والمقبولات والمظنونات خارجة عن هذه الجملة۔[1]

یا محسوسات[4] ہوں گے جن کو ہم سمجھا چکے ہیں۔ رہے ذائعات، مقبولات اور مظنونات تو وہ ان تمام سے خارج ہیں۔

اور سید[2] شریف کہتے ہیں کہ:—

البرهان هو القياس المركب من اليقينيات سواء كانت ابتداءً وهي الضروريات او بواسطة وهي النظريات

برہان وہ قیاس ہے جو یقینیات سے مرکب ہو۔ اگر یہ ابتدائی ترکیب ہو تو ان قضایا کو ضروریات کہیں گے اور بالواسطہ ہو تو ان کو نظریات کہیں گے۔

الحاصل یہ کہ برہان سے یقین کا حاصل ہونا ایک متفقہ امر ہے۔ اس لئے فلسفہ کی ہدایت ہے کہ:—

لما كان ذات الانسان عبارة عن النفس الناطقة فقط اذ هي الجزء الاشرف

چونکہ انسان سے مراد محض نفس ناطقہ ہے کیوں کہ یہی اس کا اشرف جزء ہے لہٰذا اصل مقصد اسی کی تکمیل ہے اور

[1] النجات للشیخ الرئیس مطبوعہ مصر ص۱۰۳ [2] تعریفات سید

فالمقصود الاصلی تکمیلها وکمالها مکسوب بمعرفته۔ وهی انما تحصل من القیاس النفسی۔ والقیاس النفسی هوالبرهان۔ فالواجب علی الانسان اولا معرفة البرهان[1]	نفس ناطقہ کا کمال معرفت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت قیاس نفسی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور یہی برہان ہے لہٰذا انسان کا پہلا فرض برہان کی معرفت ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ بخلاف سائر حیوانات انسان کو قدرت نے محض اپنے فضل و کرم سے منجملہ اور قوتوں کے ایک قوت نظری بھی عطا فرمائی ہے جس کے ذریعے سے انسان امور معلومہ کو ترتیب دیکر ایک غیر معلوم بات حاصل کرتا ہے اور یہی قوت انسان کو دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ اس سے کام لینا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

ارسطو کا بڑا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے اس ترتیب کا ایک قانون مدوّن کر دیا جس کو منطق کہتے ہیں۔ مگر اس میں فلاسفۂ اسلام نے

[1] شرح مرقاۃ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ مطبع انتظامی۔

ایسی ایسی موشگافیاں کیں اور ایسے ایسے نکتے پیدا کئے کہ خدا کی قدرت سے اگر آج ارسطو پھر زندہ ہو کر آجائے تو اس کی تحصیل و تکمیل کے لئے خود اس کو علماء اسلام کے آگے زانوئے ادب تہ کرنا پڑے۔ متون۔ شروح۔ حواشی کا اتنا بڑا دفتر بن گیا ہے جس کے مطالعہ کے لئے کافی وقت اور صلاحیت درکار ہے۔

اسی قوت نظری کی شقاوت کے سبب انسان حق سے برگشتہ۔ اسی کی سعادت سے حق سے وابستہ اور اسی کی برکت سے وہ حق کا واقف ہو جاتا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس
عشق را با ہر دلے نسبت بہ قدر جوہر است
قطرہ بر گل شبنم و در قعرِ دریا گوہر است

فلسفہ کا دعویٰ ہے کہ انسان[۱] سے مراد صرف نفس ناطقہ ہے اور[۲] اصلی مقصود نفس ناطقہ کی تکمیل ہے جو معرفت[۳] سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت[۴] قیاس نفسی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اسی قیاس[۵] نفسی کا نام برہان ہے۔ ان

پانچوں مقدمات کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت کی تکمیل بغیر منطق کے
نہیں ہوسکتی کیوں کہ مقدمات برہان کی صحت ترتیب جاننے کے لیے منطق
کا جاننا بھی ضروری ہے۔ نعوذ باللہ اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو
اس کا مطلب یہ ہوگا
حیرت ہوتی ہے کہ قرون اولیٰ بلکہ خود عہد نبوی میں بھی تکمیل انسانیت
کے اس پہلے فرض کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ کی۔ نہ تو آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ہی نے اس کا خیال فرمایا۔ نہ جبریل علیہ السلام نے اس کی طرف
توجہ دلائی نہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے متعلق کوئی حکم یا کم از کم
کوئی ہدایت اشارۃً۔ کنایۃً ہی فرمائی۔ اس بھول کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ
کرامؓ بجائے منطق کے نمازیں پڑھتے رہے اور تعجب یہ ہے کہ اللہ تبارک و
تعالیٰ اس پر بھی ان کی تعریف وتوصیف میں آیتیں نازل اور بار بار اظہار
خوشنودی فرماتا رہا یہاں تک کہ یہ مبارک دور ختم ہوگیا اور تکمیل انسانیت
کا یہ پہلا فرض غفلت کی الماری ہی میں بند رہ گیا۔ نعوذ باللہ من
شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ
ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم۔ استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ علماء طریقت کی اصطلاح میں یقین کس کو کہتے ہیں اور اس کا حصول کس طرح ہوتا ہے۔ غور سے پڑھئے اور انصاف کیجے: والیقین عند السالکین قیل ھو تحقیق التصدیق بالغیب بازالۃ کل ظن یعنی گمان کو زائل کر کے تصدیق غیبی کی تحقیق کا نام یقین ہے۔ حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ ہی یقین ہے اور عطاؒ فرماتے ہیں کہ ما زال عنہ المعارض علی دوام الوقت یعنی یقین وہ ہے جس سے معارض ہمیشہ کے لئے زائل ہو جائے۔ اور حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ جس کو آنکھیں دیکھیں وہ علم کی طرف منسوب ہوگا اور جس کو دل جان لے وہ یقین کی طرف منسوب ہوگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشاہدہ ہی یقین ہے اور بعض کا قول ہے کہ مومن کے دل میں نور حقیقت کے ظہور کو یقین کہتے ہیں۔

والیقین نورٌ عند کشف الحجاب وبالحقیقۃ ھما نور واحدٌ الا انہ اذا کان من وراء الحجاب یقال لہ نور الایمان واذا کان عند رفع الحجاب صار یقینا۔ جیسے ایک بینا اور نابینا دونوں آفتاب کے وجود کی خبر دیں تو بینا بخلاف نابینا کے اپنے

مشاہدہ کی بنا پر خبر دے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل طریقت کے پاس یقین کشف وشہود سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی زایل نہیں ہوتا۔ کوئی نقض اور کوئی دلیل اس میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی۔ نیز ایمان اور یقین دونوں درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ان میں محض اعتباری فرق ہے۔

یہ علم لدنی کا مدرسہ ہے جس میں اشکال اربعہ اُن کے شرائط انتاج اور ضروب منتجہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے یہاں برہان لمیؔ واِنیؔ کی کوئی قدر وقیمت نہیں بلکہ یہاں تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کی ضرورت ہے یہاں ذہن کے اندر کوئی بات نہیں بٹھائی جاتی۔ یہاں امور معلومہ کو ترتیب نہیں دیا جاتا بلکہ یہاں دل کو خدا کے لئے غیر خدا سے خالی کر لیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کا ہر طالب علم سالک اور اس کا استاد عارف و مرشد کہلاتا ہے جو اپنے مریدوں کو ریاضت ومجاہدہ کا طریقہ بتاتا اور ان کے منازل کو اپنی نگرانی میں طے کراتا ہے۔ اس کے بعد ہر سالک ہر وقت فیضان الٰہی کا انتظار کرتا ہے تاکہ والّذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا کا وعدہ پورا ہو کیوں کہ ان اللہ لایخلف المیعاد۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کونسا طریقہ انسب واولیٰ ہے۔

اس کے جواب میں فقیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ آپ کے سامنے امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات پیش کرتا ہے۔

امام رازیؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ امام صاحب اپنے تبحر علمی۔ خداداد ذہانت اور تحقیق و انتقاد کی بدولت غیر معمولی شخصیت کے حامل ہیں اور صرف فلاسفہ اور متکلمین ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام بھی آپ کا ادب و احترام کرتی اور آپ کو امام کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ امام صاحب نے اپنے قلم سے اسلام کی جو بے بہا خدمات انجام دی ہیں وہ ہر طرح لائق قدر و احترام ہیں ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر کبیر کو اہل علم سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور اس تفسیر میں بھی آپ اس کے حوالے پڑھ چکے ہیں اور ان شاء اللہ آگے بھی پڑھتے رہیں گے۔

خدائے تعالیٰ امام صاحبؒ کی سعی مشکور فرمائے اور ان کے مدارج اخروی میں ترقی فرماتا رہے۔

امام ممدوح کی خدمات علمی کا خراج عقیدت ادا کرنے کے بعد جس کے وہ حقیقتاً مستحق ہیں۔ امام صاحب موصوف کی زندگی کے دو خاص واقعات فقیر نقل کرتا ہے جن سے آپ کو ارباب نظر و استدلال و اہل طریقت دونوں کے

طریقوں کے تقابلی مطالعہ میں سہولت ہوگی اور خود آپ کا ذوق سلیم نہایت آسانی سے اس کا فیصلہ کرسکے گا کہ ان دونوں طریقوں میں کون سا طریقہ بہتر و برتر ہے۔

پہلا واقعہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا ایک مکتوب[1] ہے جو محض خیرخواہی سے امام رازیؒ کے نام لکھا گیا ہے۔

اس خط کو بہاء الدین عاملی نے اپنی کشکول میں نقل کیا ہے۔ اس خط کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور قسم قسم کی باتیں مشہور ہیں۔ شاید بہت کم لوگوں نے اس کو دیکھا ہو۔ فقیر فٹ نوٹ میں اصل خط ترجمہ کے ساتھ درج کردیتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ ایک نیک نیت کا مخلصانہ مشورہ ہے جو خالصاً لوجہ اللہ پیش کیا گیا ہے جس کے ایک ایک لفظ سے مکتوب الیہ کی ہمدردی اور محبت للّٰہی ظاہر ہوتی ہے۔

اس خط سے دونوں طریقوں کے امتیازی فرق کی بھی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے۔

[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذہٖ کتابۃ کتبھا العارف الواصل	عارف وواصل صمدانی شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام رازیؒ آخر کار طریقہ نظر و استدلال سے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

الصمدانی الشیخ محی الدین بن عربی حشرۃ اللّٰہ مع احبتہ الی الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذی اصطفی وعلی ولی فی اللہ فخر الدین محمد اعلی اللہ ہمتہ و افاض علیہ برکاتہ و رحمتہ (وبعد) فان اللہ تعالیٰ یقول "وتواصوا بالحق" وقد وقفت علی بعض تالیفک وما ایدک اللہ بہ من القوۃ المتخیلۃ والفکر الجید ومتی قعدت النفس عن کسب یدہا فانہا لا تجد حلاوۃ الجود

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

(خدا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے جن سے وہ محبت کرتے تھے)۔ یہ خط امام فخر الدین رازیؒ کے نام لکھا ہے۔

سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں اور میرے اللہ واسطے کے دوست فخر الدین محمد پر سلام ہو۔ خدا ان کی ہمت بلند کرے اور ان کو اپنی رحمت اور برکتوں کا فیض پہنچائے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت کرتے رہیں۔ آپ کی کچھ تالیفیں میرے دیکھنے میں آئیں۔ خدا نے آپ کی قوت متخیلہ اور عمدہ فکر سے جو تائید فرمائی ہے اس سے میں نے آگاہی حاصل کی نفس جب

ایک حد تک غیر مطمئن ہو گئے تھے اور ان کے اندر وہ اضطراب اور بے چینی پیدا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)
والوھب فتکون ممن اکل من تحتہ
والرجل من یاکل من فوقہ کما قال
اللہ تعالیٰ "ولو انھم اقاموا التوراۃ
والانجیل وما انزل الیھم من ربھم
لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم"
ولیعلم ولی وفقہ اللہ تعالیٰ
ان الوراثۃ الکاملۃ ھی التی
تکون من کل الوجوہ لا من بعضھا
والعلماء ورثۃ الانبیاء فینبغی
للعالم العاقل ان یجتھد لیکون
وارثا من کل الوجوہ ولا یکون
ناقص الھمۃ وقد علم ولی وفقہ
اللہ تعالیٰ ان حسن الطبیعۃ الاحتانیۃ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)
خود کام کرنے سے ہٹا ہوا ہوتا ہے تو اس کو جو
اور وہب (یعنی بخشش خداوندی) کی حلاوت
نہیں ملتی۔ اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی
ہے جو اپنے نیچے سے (چن چن کر) کھا رہا ہے
حالانکہ مرد وہ ہے جو اپنے اوپر سے کھائے جیسے
کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ (یعنی
اہل کتاب) توریت اور انجیل اور ان کے
پروردگار کی طرف سے جو (کتابیں) ان پر
نازل ہوئی ہیں ان کی پابندی کرتے تو
وہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے
کھاتے۔ میرے دوست کو اللہ نیک
توفیق دے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کامل وراثت
وہی ہے جو سب طرح سے ہو اور جو وراثت

ہو گئی تھی جو عموماً ایک بڑے آدمی کو بہت بڑا آدمی بنانے کا پیش خیمہ ہوتی ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بما تحمله من المعارف الالهية
وقبحها بضد ذلك فينبغي للعالي
الهمة ان لا يقطع عمره في معرفة
المحدثات وتفاصيلها فيفوته
حظه من ربه وينبغي له ايضاً
ان يسرح نفسه من سلطان فكره
فان الفكر يعلم مأخذه والحق
المطلوب ليس ذلك والعلم بالله
خلاف العلم بوجود الله فينبغي
للعاقل ان يخلي قلبه عن الفكر
اذا اراد معرفة الله تعالى
من حيث المشاهدة وينبغي
للعالي الهمة ان لا يكون تلقيه

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بعض وجوہ سے ہو وہ کامل نہیں ہوتی۔
علما انبیا کے وارث ہیں لہذا ایک عقلمند
عالم کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ تمام وجوہ
سے ان کا وارث ہو پست ہمت نہ بنے۔
میرے دوست کو (اللہ انہیں نیک توفیق
دے) یہ معلوم ہی ہے کہ طبیعت احسانیہ کی
خوبی یہ ہے کہ وہ معارف الٰہی کی حامل ہو اور
اس کی ضد اس کی برائی ہے۔ اس لئے بلند
ہمت کو چاہئے کہ وہ حادث چیزوں اور
ان کی تفصیلات کی معرفت میں عمر ضائع
نہ کرے۔ نیز ایک عالی ہمت کو چاہئے کہ وہ
اپنے نفس کو سلطان فکر (یعنی غلبہ فکر) کے
پنجے سے نکال لے۔ کیوں کہ فکر اپنے ماخذ کو

اور اسی اثنا میں ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا جو سونے پر سہاگہ کا کام

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

عند هذا من عالم الخيال وهي
الانوار المتجسدة الدالة على
معان وراءها فان الخيال ينزل
المعاني العقلية في القوالب الحسية
كالعلم في صورة اللبن والقرآن
في صورة الحبل والدين في صورة
القيد وينبغي للعالي الهمة ان
لا يكون معلمه مونثا كما لا ينبغي
ان ياخذ من فقير اصلا وكل
ما لا كمال له الا بغيره فهو فقير
وهذا حال كل ما سوى الله تعالى
فارفع الهمة في ان لا تاخذ علما
الا عن الله سبحانه وتعالى

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

جانتی ہے حالاں کہ یہ حقیقی مطلوب نہیں اور
علم باللہ (خدا کا علم) علم بوجود اللہ (خدا کے
وجود کے علم) کے خلاف ہے لہذا عقلمند
جب خدا کی ایسی معرفت حاصل کرنی چاہیے
جو شاہدہ کی حیثیت رکھتی ہو تو اس کو اپنا
دل فکر سے خالی کر لینا چاہیے۔ ایک عالی
ہمت کو چاہیے کہ وہ ایسی معرفت حاصل
کرتے وقت عالم خیال سے کچھ نہ لے کیونکہ
وہ (یعنی جو چیزیں عالم خیال میں آتی
ہیں) وہ جسدی (جسمانی) انوار ہوتے ہیں
جو ان معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے
پیچھے ہیں۔ کیوں کہ خیال عقلی معنی کو حسی
قالبوں میں ڈھال لیتا ہے جیسے علم کو دودھ

دے گیا احمد بن مصطفےٰ المتوفی ۹۶۲ھ عرف طاش کبریٰ زادہ نے جس کا لفظ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

علی الکشف والیقین واعلم ان
اھل الافکار اذا بلغوا الغایۃ
القصوی اداھم الفکر الی حال
المقلد المصمم فان الامر اجل
واعظم من ان یقف فیہ الفکر
فما دام الفکر موجودا فمن المحال
ان یطمئن العقل ویسکن وللعقول
حد تقف عندہ من حیث قوتھا
فی التصرف الفکری ولھا صفۃ
القبول لما یھبہ اللہ تعالیٰ فاذن
ینبغی للعاقل ان یتعرض لنفحات
الجود ولا یبقی ما سور افی قید
نظرہ وکسبہ فانہ علی شبہ فی ذلک

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

کی صورت میں اور قرآن کو رسی کی صورت میں
اور دین کو قید (بیڑی) کی صورت میں ایک عالی ہمت کا
معلم مونث نہ ہونا چاہئے جیسے کسی محتاج سے
کچھ نہ لینا چاہئے۔ ہر وہ چیز جس کا کمال
اس کے غیر سے حاصل ہو پس وہ محتاج ہے
اور ہر ما سوی اللہ کا یہی حال ہے۔ لہذا آپ
بلند ہمتی سے کام لے کر بہ طریق کشف و یقین
اللہ سبحانہ کے سوا کسی اور سے علم حاصل
نہ فرمائیں خیال رہے کہ اہل افکار جب
انتہائی حد تک پہنچ جاتے ہیں تو ان کو فکر
ایک مقلد جامد کی حالت تک پہنچا دیتی ہے
یہ بات (یعنی معرفت الہی) اس سے بہت
اعلیٰ وارفع ہے کہ اس تک فکر کی رسائی ہو سکے۔

بزبان تر کی دانش کو پری ہے اور اس طرح سے یہ علمی دنیا میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ولقد اخبرنی من الفت بہ من
اخوانک ممن لہ فیک نیۃ حسنۃ
انہ رآک وقد بکیت یوما فسألک
ھو ومن حضرہ عن بکائک فقلت
مسئلۃ اعتقدتھا منذ ثلاثین
سنۃ تبین لی الساعۃ بدلیل
لاح لی ان الامر علی خلاف ما کان
عندی فبکیت وقلت لعل الذی
لاح لی ایضا یکون مثل الاول
فھذا قولک ومن المحال علی الواقف
بمرتبۃ العقل والفکر ان یستریح
او یسکن ولاسیما فی معرفۃ اللہ
تعالی فمابالک یا اخی تبقی فی ھذہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

جب تک فکر موجود ہے عقل کو اطمینان وسکون
کا حاصل ہونا محال ہے۔ عقلوں کی بھی ایک حد ہے
جہاں پہنچکر ان کے تصرف فکری کی قوت ختم
جاتی ہے (اور اس کے آگے نہیں بڑھ سکتی اور
اس پر حیرت طاری ہوجاتی ہے) (اور اس کے
سوا) عقل میں عطائے ربانی قبول کرنے کی
بھی صفت ہے پس ایک عقلمند کو چاہئے کہ
وہ اس طرف بڑھے جدھر سے سخاوت کی لپٹیں
آرہی ہیں کسب وفکر کی چار دیواری میں
مقید نہ رہے ورنہ وہ اس کے متعلق شبہ میں
پڑا رہے گا۔ آپ کے چاہتے بھائیوں میں سے
ایک صاحب نے جو آپ کے خیر اندیش بھی ہیں
مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک دن آپ کو دیکھا کہ

مشہور و معروف ہیں اپنی کتاب مفتاح السعادۃ میں لکھتے ہیں کہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

الورطة ولا تدخل طريق الرياضات والمكاشفات والمجاهدات والخلوات التي شرعها رسول الله صلى الله عليه وسلم فتنال ما نال من قال فيه الله سبحانه وتعالى عبداً من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علماً ومثلك من يتعرض لهذه الخطة الشريفة والمرتبة العظيمة الرفيعة وليعلم ولي وفقه الله تعالى ان كل موجود عند سبب وذالك السبب محدث مثله فان له وجهين وجه ينظر به الى سببه ووجه ينظر به الى

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

آپ رو رہے ہیں جس پر ان صاحب نے اور دوسرے لوگوں نے جو اس وقت آپکے پاس موجود تھے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپنے جواب دیا کہ ایک مسئلہ میں تیس سال سے میرا ایک عقیدہ تھا مگر اس وقت ایک ایسی دلیل ذہن میں آئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں جو سمجھے ہوئے تھا وہ غلط تھا۔ اس لئے میرا دل بھر آیا اور خیال ہوا کہ شاید یہ دلیل بھی (آگے چل کر) پہلی ہی جیسی ہو۔ یہ آپکا قول ہے جو شخص مرتبہ عقل و فکر پر ٹہر جائے اس کو راحت و سکون حاصل ہونا محال ہے خصوصاً معرفت خدا کے متعلق۔

میرے بھائی آپ کی یہ کیا حالت ہے

واعلم ان الامام کان من زمرۃ الفقہاء واضح ہو کہ امام صاحب پہلے فقہا کے زمرے میں تھے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

موجدہ وھو اللہ تعالی فالناس کلھم ناظرون الی وجوہ اسبابھم والحکماء والفلاسفۃ کلھم وغیرھم الا المحققین من اھل اللہ تعالی کالانبیاء والاولیاء والملئکۃ علیھم الصلوۃ والسلام فانھم مع معرفتھم بالسبب ناظرون من الوجہ الآخر الی موجدھم ومنھم من نظر الی ربہ من وجہ سببہ لا من وجھہ فقال حدثنی قلبی عن ربی وقال الآخر وھو الکامل حدثنی ربی ومن کان وجودہ مستفادا من غیرہ فان حکمہ عندنا حکم لاشیئ فلیس للعارف

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

آپ کب تک اس قصور میں پڑے رہیں گے اور ریاضتوں ۔ مکاشفوں ۔ مجاہدوں اور خلوتوں کے طریقے میں آپ کب تک داخل نہ ہوں گے (حالاں کہ) یہ طریقہ وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا ہے (اگر آپ اس طریقہ سے کام لیں گے) تو آپ کو وہ حاصل ہو جائے گا جو اس شخص کو حاصل ہوا تھا جس کے متعلق اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جس کو ہم نے

اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی تھی اس کو ہم نے

اپنے پاس سے علم سکھایا تھا ۔ ایسی شریف خصلت اور ایسا بلند اور عظیم الشان مرتبہ آپ جیسے لوگوں کے شایان شان ہے ۔

ثم التحق بالصوفیه قصار من اهل پھر یہ صوفیہ میں مل گئے اور اہل شاہد

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

معول الا اللہ سبحانہ وتعالی
البتۃ واعلم ان الوجہ الالٰھی
الذی ھو اسم اللہ اسم جامع
لجمیع الاسماء مثل الرب القدیر
والشکور وجمیعھا کالذات الجامعۃ
لما فیھا من الصفات فالاسم اللہ
(تعالیٰ) مستغرق لجمیع الاسماء
فتحفظ عند المشاھدۃ منہ فانک
لا تشاھد اصلا فاذا ناجاک بہ
وھو الجامع فانظر بما یناجیک بہ
وانظر المقام الذی تقتضیہ تلک
المناجاۃ وتلک المشاھدۃ
وانظر الی اسم من الاسماء الالٰھیہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

میرے دوست کو (خدا انہیں نیک توفیق دے)
یہ خیال رہے کہ ہر موجود جو کسی سبب کی وجہ موجود
ہوتا ہے اور وہ سبب بھی اسی کی طرح حادث
ہے (یعنی علت ومعلول) دونوں حادث
ہوں تو ہر ایسے موجود کی دو صورتیں ہوتی ہیں
اس کی ایک صورت تو وہ ہے جو اس کے سبب کی
طرف ہے اور اس کا دوسرا رخ وہ ہے جو اس
کے موجد کی طرف ہے اور یہی خدائے برتر
ہے۔ مگر سب لوگ اسباب کی صورتوں کی
طرف دیکھ رہے ہیں۔ حکماء اور فلاسفہ وغیرہ
سب اسی فکر میں پڑے ہوئے ہیں مگر یہ محققین
اہل اللہ جیسے انبیاء۔ اولیاء اور ملائکہ
علیہم الصلوٰۃ والسلام سبب کی معرفت کے

المشاهدة وصنف التفسير بعد ذالك ہو گئے۔ آپ نے اس کے بعد تفسیر (کبیر) لکھی

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ينظر اليها فذلك الاسم
هو الذى خاطبك او شاهدته
فهو المعبر عنه بالتحول فى الصورة
كالغريق اذا قال يا الله فمعناه
يا غياثُ او يا منجى او يا منقذ
و صاحب لا لمراذا قال يا الله
فمعناه يا شافى او يا معافى وما
اشبه ذلك و قولى لك التحول
فى الصورة ما رواه مسلم فى صحيحه
ان البارى تعالى يتجلى فينكر
و يتعوذ منه فيتحول لهم
فى الصورة التى عرفوه فيها
فيقرون بعد الانكار وهذا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ساتھ اس کی دوسری صورت جو موجد کی طرف ہے
اس پر بھی نظر رکھتے ہیں ان میں سے کوئی (ایسا
ہے) جو اس (موجد) کی ذات (مطلقہ) کی
حیثیت سے نہیں بلکہ اس (حادث) کا سبب
ہونے کی وجہ سے نظر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے
قلب نے میرے رب کے متعلق یہ بات بیان
کی اور دوسرا جو کامل ہے وہ کہتا ہے مجھے
میرے رب نے یہ حدیث بیان کی ۔ اور جس کا
وجود غیر سے حاصل ہوا ہو تو ہمارے نزدیک
اس کا حکم "لاشیء" کا حکم ہے (یعنی اس کا
وجود وجود ہی نہیں) لہذا عارف کا اعتماد
سوائے خدائے پاک و برتر کے کسی پر ہرگز نہیں
ہونا چاہیے۔

ومن تامل فی مباحثه و تصفح لطائفه جو اس کے مباحث پر غور کرے اور اس کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

هو معنى المشاهدة ههنا والمناجاة
والمخاطبات الربانية وينبغي للعاقل
ان لا يطلب من العلوم الا ما يكمل
به ذاته وينتقل معه حيث انتقل
وليس ذالك الا العلم بالله تعالى
فان علمك بالطب انما يحتاج اليه
فی عالم الامراض والاسقام فاذا
انتقلت الی عالم ليس فيه السقم
ولا المرض فمن تداوی بذلك العلم
وكذلك العلم بالهندسة انما يحتاج
اليه فی عالم المساحة فاذا انتقلت
منه تركته فی عالمه ومضت النفس
ساذجة ليس عندها شئ منه وكذلك لا اشتغال

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

واضح ہو کہ وجد الٰہی یعنے اسم اللہ ایک ایسا
اسم ہے جو تمام اسماء جیسے رب۔ قدیر۔ شکور
اور سب اسماء کا جامع ہے جیسے ذات اپنے
تمام صفتوں کی جامع ہے۔ لہٰذا اسم اللہ بھی
تمام اسماء پر حاوی ہے۔ اس کے شاہدہ کے
وقت تم دیکھو گے کہ تمہیں اس اسم کا شاہدہ
بالکل نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے جب وہ تم سے
اس کے ذریعہ سرگوشی کرے تو چونکہ یہ اسم
جامع ہے اس لئے یہ دیکھو کہ وہ کس (اسم)
کے ذریعہ تم سے سرگوشی کر رہا ہے اور اس
مقام پر نظر کرو جو اس مناجات (سرگوشی)
یا اس شاہدہ کا مقتضی ہے اور یہ دیکھو کہ اسماءِ
الٰہی میں سے کون سے اسم کی تم پر نظر ہے پس

یجد فی اثنائہ کلمات اھل المتصوف من الامور الذوقیۃ	لطائف کو غائر نظر سے دیکھے تو اسکو اس تفسیر میں اہل تصوف کی ایسی باتیں ملیں گی جن کا تعلق ذوقی امور سے ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بکل علم تترکہ النفس عند انتقالھا الی عالم الآخرۃ ینبغی للعاقل ان لا یاخذ منہ الا ما مست الیہ الحاجۃ الضروریۃ ولیجتھد فی تحصیل ما ینتقل معہ حیث انتقل فلیس ذلک الا علمان خاصۃ العلم باللہ والعلم بمواطن الآخرۃ وما یقتضیہ مقاماتھا حتی یمشی فیھا کمشیہ فی منزلہ فلا ینکر شیئا اصلا فلا یکون من الطائفۃ التی قالت عند ماتجلی

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

وہی نام ہے جس نے تم سے خطاب کیا ہو یا جس کا تمہیں مشاہدہ ہوا ہے اور تحول صورت کے اعتبار سے اس کی تعبیر کی جا سکتی ہے۔ جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص جب یا اللہ پکارتا ہے تو اس کے معنی یا غیاث (فریادرس)، یا یا منجی (نجات دینے والا) یا یا منقذ (چھڑانے والے) کے ہوتے ہیں۔ اور کوئی بیمار دکھی جب یا اللہ پکارتا ہے تو اس کے معنی یا شافی یا یا معافی اور اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ میں نے آپ سے تحول صورت کا ذکر کیا ہے۔ اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں

دُوسرا واقعہ اس کے بعد وہ اُن کو پیری نہایت وثوق سے ایک تفصیلی روایت نقل کرتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ

(بقیہ خط صفحہ گذشتہ)

لها ربها نعوذ بالله منك
لست ربنا نحن منتظرون
حتى يأتينا ربنا فلما جاءهم
في الصورة التي عرفوها اقروا به
فما اعظمها حسرة فينبغي للعاقل
الكشف عن هذين العلمين
بطريق الرياضة والمجاهدة
والخلوة على الطريقة المشروطة
وكنت اريد ان اذكر الخلوة
وشروطها وما يتجلى فيها
على الترتيب شيئا بعد شئ
ولكن منع من ذلك الوقت

(بقیہ ترجمہ صفحہ گذشتہ)

روایت کیا ہے کہ باری تعالیٰ کی تجلی ہوگی تو
اس کا انکار کیا جائے گا اور اس سے پناہ
مانگی جائے گی پھر وہ ان کے لئے ایسی صورت
میں متحول ہو جائے گا جس کو وہ پہچانتے ہیں
لہذا وہ انکار کے بعد اقرار کریں گے اور یہاں
مشاہدہ۔ مناجات اور مخاطبات ربانی
کے یہی معنی ہیں۔

عقلمند کو چاہیئے انہیں علوم کو حاصل
کرے جن سے اس کی ذات کی تکمیل ہو اور
وہ جہاں جائے اس کے علوم بھی اس کے
ساتھ رہیں۔ مگر سوا علم باللہ تعالیٰ (یعنی
معرفت الٰہی) کے کوئی اور علم ایسا نہیں۔

امام فخر الدینؒ رازی المتوفی ۶۰۶ھ کی حضرت نجم الدینؒ کبری المتوفی ۶۱۸ھ

(بقیہ خط صفحہ گذشتہ)

واعنی بالوقت علماء السوء الذین انکروا اما جهلوا وقیدهم التعصب وحب الظهور والریاسة عن الاذعان للحق والتسلیم له ان لم یکن الایمان به والله ولی التوفیق

انتهی۔

(بقیہ ترجمہ صفحہ گذشتہ)

آپ کے علم طب کی ضرورت صرف عالم امراض واسقام میں ہے۔ مگر جب آپ ایسے عالم میں چلے جائیں گے جہاں کوئی دکھ ہے نہ بیماری تو وہاں اس علم سے آپ کس کی دوا کریں گے۔ اسی طرح علم ہندسہ کی ضرورت صرف عالم مساحت میں ہے جب آپ اس سے منتقل ہو جائیں گے تو اس علم کو بھی آپ اسی عالم میں چھوڑ جائینگے اور نفس سادہ حالت میں وہاں جائے گا کہ اس کا کچھ بھی اثر اس پر نہ رہے گا۔ اسی طرح ہر علم کی مشغولیت کا حال ہے کہ نفس جب عالم آخرت میں منتقل ہوگا تو اس علم کو یہیں چھوڑ جائے گا۔ اس لئے عقلمند کو چاہیے کہ ایسے علوم سے صرف ایسی قدر حاصل کرے جس کی

سے ہرات میں ملاقات ہوئی اور دونوں میں علمی مناظرہ ہوا۔ اثنائے بحث میں

(بقیہ ترجمہ خط صفحہ گذشتہ)

احتیاج و ضرورت ہے اور ایسا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے جو ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ رہے مگر ایسے علم صرف دو ہیں۔ ایک علم باللہ خصوصاً (معرفت خدا) اور دوسرا مواطن آخرت اور اس کے اقتضائے مقامات کا علم تاکہ وہاں وہ اس طرح چلے پھرے جس طرح کوئی اپنے گھر میں چلتا پھرتا ہے۔ اور (وہاں) کسی چیز کا ہرگز انکار نہ کرے اور ان لوگوں میں سے نہ ہو کہ جب ان کے سامنے ان کے رب کی تجلی ہوئی تو انہوں نے کہا کہ "خدا ہم کو تجھ سے بچائے تو ہمارا رب نہیں ہے ہم انتظار کرتے ہیں یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس آئے" پھر ان کے پاس جب وہ اس صورت میں آئے جس کو وہ پہچانتے ہیں تب انہوں نے اس کا اقرار کیا۔

ہائے کیسی حسرتناک بات ہے۔ لہٰذا عقلمند کو چاہئے کہ ان دونوں علموں کا بطریق ریاضت و مجاہدہ خلوت اور شروط طریقے کے بموجب کشف حاصل کرے میں چاہتا تھا کہ خلوت اور اس کے شرائط اور اس میں جو تجلیات ہوتی ہیں ان میں کی ایک ایک چیز کو یکے بعد دیگرے ترتیب وار بیان کر دوں مگر وقت اس سے منع کرتا ہے۔ وقت سے میری مراد وہ بُرے علما ہیں جو ان امور سے انکار کرتے ہیں جن سے وہ جاہل ہیں اور تعصب۔ خودنمائی اور جاہ پسندی نے ان کو حق کے اذعان اور تسلیم سے روک دیا ہے کہ وہ اس پر ایمان نہیں لا سکتے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ انتہیٰ (خط ختم ہوا)

حضرت نجم الدین کبریٰ نے امام رازی سے پوچھا کہ:—

ان افتخارك بالعلم واشرف العلم معرفته الله تعالى فكيف عرفته تعالى. قال بمأة براهين قال الرجل البرهان لازالة الشك والله تعالى جعل في قلبي نوراً لا يدخل معه الشك فضلاً عن الحاجة الى البرهان فاثر هذا الكلام في قلب الامام فتاب في ذالك المجلس على يده ودخل الخلوة وفتح الله له ما فتح وبعد ما خرج عنها صنف التفسير الكبير[1]

آپ کا طرۂ امتیاز علم ہے۔ اور سب سے اشرف علم خدا کی معرفت ہے لہٰذا آپ کو خدا کی معرفت کیسے حاصل ہوئی؟

امام صاحب نے جواب دیا کہ سو براہین سے۔ اس کے جواب میں اس شخص (یعنی نجم الدین کبریٰؒ) نے فرمایا کہ براہان شک زائل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور خدا نے میرے دل میں ایسا نور پیدا کر دیا ہے کہ اس میں شک داخل نہیں ہوتا براہان کی ضرورت تو در کنار۔ اس کلام کا امام رازی کے دل پر گہرا اثر ہوا اسی مجلس میں امام صاحب نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور خلوت گزیں ہوگئے۔ اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ اس خلوت سے نکلنے کے بعد امام صاحب نے تفسیر کبیر تصنیف فرمائی۔

[1] مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ ٤٥٠-٤٥١ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔

یقین کے اصطلاحی معنی۔ اس کے متعلق علماء کے اختلافات۔ اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے آپ کے سامنے پیش ہو چکے اب مراتب یقین بھی سمجھ لیجیے:۔

مراتب یقین یقین کے تین مراتب ہیں۔ علم الیقین[1] عین الیقین[2] حق الیقین[3]۔

ان مراتب کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص نے دریا کو نہیں دیکھا۔ مگر اس کو دریا میں پانی ہونے کا یقین ہے اس مرتبے کو علم الیقین کہتے ہیں۔ یہی شخص جب دریا کے کنارے پر پہنچ جاتا اور اس کے پانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اس کو پانی کا عین الیقین ہو جاتا ہے اور یہی شخص جب اس دریا کا پانی پی لیتا یا اس کے اندر غوطہ لگاتا ہے تو اس کو پانی کا حق الیقین ہو جاتا ہے۔ بس یقین کے یہی تین مراتب ہیں جن کی صراحت علامہ راغب اصفہانی نے کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ ان تینوں میں پہلا کمتر دوسرا اس سے بالا اور تیسرا بالاتر مرتبہ ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ آیت زیر تفسیر میں اس کائنات ارضی کے کن امور کو نشانیوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مگر اولاً آیت کے معنی کی

وضاحت بھی ضروری ہے۔

آیت کے معنی قولہ تعالیٰ اِنّ فی ذٰلک لاٰیٰتٍ للمومنینؔ فھی من الاٰیات المعقولۃ التی تتفاوۃ بھا المعرفۃ بحسب تفاوت منازل الناس فی العلم یعنی آیات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو عقل سے سمجھ میں آتی ہیں جن کی معرفت لوگوں کے مراتب علمی کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔

آیاتِ ارضی زمین کی گولائی اور اس کا پھیلاؤ۔ یہ برّ و بحر۔ یہ لق و دق بیابان یہ ناپیداکنار سمندر یہ نہریں یہ دریا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے یہ سر بہ فلک پہاڑ۔ یہ نرم نرم گھاس یہ تناور درخت یہ خوش گوار میوے۔ یہ رنگ برنگ کے خوشبودار پھول۔ یہ ننھی ننھی چیونٹیاں۔ یہ گراں ڈیل ہاتھی۔ یہ خوشنما تتلیاں۔ یہ بلند پرواز پرند۔ الحاصل یہ ساری کائنات اور ان سب کی تخلیق کا نشاء و خلاصہ یعنی اشرف المخلوقات حضرت انسان بقول حافظ ابن کثیرؒ ایسی نشانیاں ہیں جو اپنے خالق کی عظمت اور اس کی قدرت باہرہ پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ نے قسم قسم کی نباتات پیدا کیں۔ اسی نے

زمین سے ٹیلے بلند کئے۔ اسی نے اس میں پہاڑ نصب کئے۔ اسی نے بے آب وگیاہ صحرا بنائے۔ اسی نے نہر وسمندر پیدا کئے۔ اسی نے لوگوں کے رنگوں اور زبانوں کو مختلف کیا۔ اسی نے ان کی جبلتیں علٰحدہ علٰحدہ بنائیں۔ اسی نے ان کے ارادوں اور قوتوں کو مختلف بنایا۔ اسی نے ان کی عقل وفہم اور حرکتوں میں تفاوت پیدا کیا۔ اسی نے کسی کو سعادت بختی اور کسی کو شقی بنایا۔ علاوہ ازیں اگلی امتوں میں جن لوگوں نے خدا کے سچے رسولوں کو جھٹلایا اور آخرکار عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے ان کے آثار یہ سب دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے خدا کی عظمت وجبروت کی نشانیاں ہیں"۔

علامہ نیشاپوری نے آیات ارضی کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ جو زمین کے جرم میں پائی جاتی ہیں جیسے استدارۃ یعنی زمین کی گولائی اور اس کے طبقات کا ایک دوسرے سے مختلف وتباین ہونا۔ دوسری وہ نشانیاں ہیں جو زمین کے اوپر پائی جاتی ہیں۔ جیسے پہاڑ و موالید ثلاثیہ یعنے جمادات و نباتات وحیوانات۔ تیسری وہ نشانیاں جو اوپر سے وارد ہوتی ہیں جیسے بارش وغیرہ۔ اور آیات ارضی کو

خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ یہ حواس سے قریب تر ہیں

مومنین کی خصوصیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ

وخص کونھا آیات بالمومنین لانھم ھم المنتفعون بھا۔

یعنی "موقنین" سے مومنین مراد ہیں اور اس آیت میں ان کا ذکر خاص طور سے فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔

الحاصل یہ کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مومنین کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ان نشانیوں سے خواہ ارضی ہوں کہ نفسی معرفت الٰہی حاصل کریں۔

اب ان آیات پر ایک مومن اگر فلسفیانہ نقطہ نظر سے غور کرے یعنی دلیل و برہان سے کام لے کر ان نشانیوں سے معرفت الٰہی حاصل کرنی چاہے تو اس کی حرکت فکری اس طرح شروع ہوگی۔

معرفت فلاسفہ

(۱) بے شبہ یہ سب چیزیں موجود اور ممکن ہیں

(۲) اور ہر ممکن اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہوتا ہے کیوں کہ ممکن کے دونوں جانب وجود و عدم ضروری نہیں ہوتے۔

اور چوں کہ ترجیح بلا مرجح محال ہے اس لئے اس کے جانب وجود کو ترجیح دینے کے لئے ایک ایسے مرجح کی ضرورت ہے جو خود ممکن نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ ممکنات اگر ایک دوسرے کے علت و معلول ہوں تو دور لازم آئے گا اور دور محال ہے اور اگر ان ممکنات کی علت و معلول کا یہ سلسلہ لامتناہی چلا جائے تو تسلسل لازم آئیگا اور تسلسل بھی محال ہے لہذا معلوم ہوا کہ ان ممکنات کی جانب وجود کو ترجیح دینے والی ایک ایسی علت ہے جو خود اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہیں۔ یعنی اس کا وجود ضروری (یعنی مستحیل الانفکاک) ہے اور عدم ممتنع ہے بس اسی کو واجب کہتے ہیں۔

اس سے واجب کا وجود تو ثابت ہو گیا مگر اس واجب کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل مقدمات کی بھی ضرورت ہے۔

(۱) واجب کا وجود اس کی نفس حقیقت ہے۔

(۲) واجب کا وجوب اور تعین اس کی نفس ذات ہے پھر ان کے بعد واجب کی توحید اس طرح ثابت ہو گی کہ اس کے وجوب وجود میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں اور تعدد وجبا محال ہے لہذا برہان توحید کے انضمام کے بعد یہ ثابت ہوا کہ واجب ایک ایسا کلی ہے جو ایک ہی فرد میں منحصر ہے اور وہی خدا ہے۔ اس ساری کدوکاوش سے بس یہی معرفت حاصل ہوئی کہ واجب ایک ہی ہے۔

معرفتِ متکلمین متکلمین نے اس سے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اس کائنات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا کہ اس کی ہر چیز میں تغیر ہے اور تغیر حدوث پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی وجود بعد العدم کے ہیں یعنی یہ کائنات متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے لہٰذا کائنات حادث ہے اور ہر حادث کے لئے محدث ہونا چاہیئے چونکہ دور و تسلسل محال ہیں لہٰذا اس کا محدث قدیم ہے اور وہی **خدا** ہے۔

اس طریقۂ استدلال سے یہ معرفت حاصل ہوئی کہ وہ واجب بھی ہے اور قدیم بھی۔ یعنی دونوں کے طریقۂ بُرہان سے خدا کی یہ معرفت حاصل ہوئی کہ وجوب و قدم میں کوئی اس کا شریک نہیں بس وہی ایک ہستی واجب و قدیم ہے اور ساری کائنات ممکن و حادث ہے۔

مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت۔ اس کی قدرت۔ اس کی ربوبیت اور الوہیت اور حق سبحانہ تعالیٰ کے اسماء وصفاتِ برگزیدہ کے متعلق کم از کم ان براہین سے تو کوئی معرفت حاصل نہیں ہوسکی۔ اور یہ معرفت بھی محض انہیں لوگوں کو حاصل ہوئی

جنہوں نے منطق و فلسفہ و کلام کی طلب میں اساتذہ کرام کے آگے اپنے زانوئے ادب تہ کئے ہیں ۔ مگر خیال رہے کہ ان کی یہ معرفت بھی ہر وقت معرض خطر میں ہے کیوں کہ نقض و ایراد کا دروازہ کھلا ہوا ہے یعنی اتنی کد و کاوش سے جو معرفت حاصل ہوئی اس کے بھی زایل ہو جانے کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا ہے ۔

معرفتِ صوفیاءؒ ایک سالک تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے بعد جب اس کائنات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ سب اسماء و صفات الٰہی کے مظاہر ہیں تو اس کی نظر کے آگے تعینات کے پردے حائل نہیں ہوتے بلکہ نور ایمان کی شعاعیں ان کے پار ہو جاتی ہیں اور اس کائنات کی ہر ایک چیز میں اس کو اپنے مالک حقیقی کے کسی نہ کسی اسم یا صفت کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ ان کے بھی مراتب مختلف ہیں ۔ ان میں کوئی کہتا ہے: ما رایتُ شئیا الا رایتُ اللہ بعدہٗ ۔ اور کوئی کہتا ہے: ما رایتُ شئیا الا رایتُ اللہ قبلہ ۔ اور کوئی کہتا ہے: ما رایتُ شئیا الا رایتُ اللہ معہ ۔ بہر حال ایک سالک کے آگے اس کائنات کی

ایک ایک چیز بلکہ ایک ایک ذرّہ اسماء و صفات الٰہی کی معرفت کا ایک ایسا دفتر بے پایاں ہے جس کے ایک نقطے کو بھی دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی ۔

اُن عارفین کے بھی دو گروہ ہیں ۔ کسی پر اس معرفت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس بادۂ توحید سے بے خود و سرمست ہو جاتے ہیں بجز ذات حق کے کسی اور کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی ۔ یہ اسم کو مسمّٰی سے ، صفت کو موصوف سے الگ کر کے نہیں دیکھتے ، یہ ہمہ اوست کے قائل ہیں کیوں کہ ان کی نظر میں یہ ساری کائنات اور اس کی کثرت محض ایک آئینہ خانہ ہے جہاں وحدت مطلقہ ہی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے ۔ چنانچہ ایک عارف کامل کا ارشاد ہے ؎

صفات و ذات چو از ہم جدا نمی بینم
بہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم

یہ حضرات وجودی کہلاتے ہیں اور وجودیہ کے علم بردار شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضؓ صاحبِ فتوحات مکیہ ہیں ۔

دوسرا گروہ اُن عارفین کا ہے جو پاسِ ادب اور ظاہر شریعت کو

ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اس بادۂ توحید سے بس اپنی سرخوشی ہی پر اکتفا کرتے اور ہمہ از وست کے قائل ہیں۔ یہ حضرات شہودی کہلاتے ہیں اور شہودیہ کے سپہ سالار حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب مکتوبات مجددیہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان دونوں کے الفاظ و عبارات میں توفیق و تطبیق کی کوشش فرمائی ہے خدا ان کی سعی مشکور فرمائے اور ان کے مدارج اخروی میں ترقی دے۔ فقیر تو یہ عرض کرے گا: عباراتنا شتّٰی وحسنك واحدٌ ۔ اور مولانائے رومؒ فرماتے ہیں: ؎

اے ترا با ہر دلے راز دگر ہر گدا را بر درت ناز دگر

در رباب عشق تارے بیش نیست ہست ہر جا نغمۂ ساز دگر

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه ۔

وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ	اور خود تمہارے اندر بھی (خدا کی نشانیاں) ہیں کیا تم نہیں دیکھتے۔

حصول معرفت الٰہی کے دوسرے طریقے یعنی "سیر فی الآفاق" کے بعد "سیر فی الانفس" کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی نظیر انسان میں موجود نہ ہو۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنی مفید ہیئت۔ اپنے عجیب مناظر اور عجیب ترکیبوں اور نادر افعال پر قدرت رکھنے اور مختلف صنعتوں کے ایجاد و اختراع کے سبب گوناگوں حالات کا جامع اور اپنی آپ نظیر ہے۔ مگر علماء طریقت کے پاس "سیر فی الانفس" ایک دعوت فکر ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت عیاں ہے اور اس کی تفصیل بیان سے باہر جس کے متعلق ایک دل دادہ حقیقت کا ارشاد ہے

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

اب جس خوش نصیب کے لئے یہ دروازہ کھل گیا اور اس نے اس چمن کی سیر کی وہاں اس نے کیا دیکھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت شیخ اکبرؒ کا خط پھر پڑھئے اور غور سے پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَ
حَبِيْبِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ 51-22
وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ 51-23

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ (نعمتیں) جس کا تم سے وعدہ
کیا جاتا ہے۔ پس قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ بے شک یہ
(خبر) اس طرح سچ ہے جس طرح تم باتیں کرتے ہو۔

اس حیاتِ دنیوی میں انسان کا اکثر وقت تلاشِ معاش اور پیٹ کے جھگڑے میں گذر جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ اس میں پھنس کر فکرِ عاقبت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے اس کا ایک صاف اور ظاہر مطلب تو یہ ہے کہ تمہارا رزق آسمان پر مقدر کر دیا گیا ہے اور اسی کے موافق تم کو ملتا رہے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ترکِ تدبیر کر دے اور توکل کے بہانے پر نکما ہو کر بیٹھ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تلاشِ معاش کے لئے جائز اور مناسب تدبیر

کرے۔ مگر یہ خیال رکھے کہ تدبیر حصول رزق کا بظاہر سبب عادی ہے سبب حقیقی نہیں۔ بلکہ سبب حقیقی اُس رزاق حقیقی کا حکم ہے جس کو تقدیر کہتے ہیں اور وہی رزاق و رحیم تمہاری تدبیر میں اثر پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا سبب کا مسبب وہی، اور اس کا حکم حقیقی سبب ہے۔ اگر انسان اس نکتہ کو پیش نظر رکھے تو کسی وقت بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو بلکہ اس طرح اس کی فکر معاش بھی ایک عبادت بن جائے گی۔ کیوں کہ اس کی کوشش اگر کارگر ہوگی تو وہ خدا کا شکر کرے گا اور اگر تدبیر میں ناکامی ہوگی تو بھی وہ دل شکستہ اور پست ہمت نہ ہوگا بلکہ یہی خیال کرے گا کہ مشیت ایزدی یہی تھی۔ اس لئے یہ ناکامی ناکامی نہیں بلکہ اس کے اندر بھی اس حکیم مطلق کی کوئی حکمت مضمر ہے جس تک اس عاجز بندہ کی عقل کی رسائی نہیں۔

دوسرا خاص مطلب یہ ہے کہ جس رزق کو تم زمین سے حاصل کرتے ہو وہ دراصل آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ یہاں آسمان سے مراد ابر اور رزق سے سببِ رزق یعنی بارش مراد ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "فی السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ" سے مراد بارش ہے۔

چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :۔

اذا نزل السماء بارض قوم　رعیناہ وان کانوا غضابا

وَمَا تُوعَدُونَ کی تفسیر میں عطاؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ثواب و عذاب مراد ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے خیر و شر مراد ہے اور ضحاک کا قول ہے کہ اس سے جنت و دوزخ مراد ہے۔ یہ اقوال اگرچہ بظاہر مختلف ہیں مگر حقیقتاً سب کا منشاء تقریباً ایک ہی ہے کیوں کہ جنت میں خیر کا بدلہ ثواب ہوگا اور دوزخ میں شر کی سزا میں عذاب دیا جائے گا۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ قیامت۔ بعثت اور جزاء کا جو وعدہ اس مالک نے اپنے بندوں سے فرمایا ہے وہ حق ہے یعنی پورا ہو کر رہے گا اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں لہذا اس میں تمہیں کوئی شک بھی نہ کرنا چاہئے۔ یہ ایسا یقینی ہے جیسے تم آپس میں باتیں کرتے وقت

اپنی گفتگو کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں کرتے۔ حضرت معاذؓ جب کسی چیز کے متعلق گفتگو فرماتے تو اپنے مخاطب سے یہ فرماتے کہ یہ بات ایسی ہی حق ہے یعنی حقیقت ہے جیسے اس وقت تمہارا یہاں موجود ہونا ایک حقیقت اور یقینی امر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی بات کا یقین دلانا اور اس پر زور دینا ہو تو اہل زبان اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں اور یہ عربی کا انداز بیان ہے جس کی تائید میں حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت معاذؓ کے طریق گفتگو کو پیش کیا ہے۔

اوپر آیات ارضی اور آیات علوی پر توجہ دلانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے تاکہ تجدید وعدہ سے مومنین کے شوق میں تجدد آور منکرین کے مقابلے میں اتمام حجت ہو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قاتل اللّٰہ قوماً اقسم بھم ربھم ثم لم یصدقوا"۔ خدا ان لوگوں کو ہلاک کرے جن کے لئے ان کے پروردگار نے قسم کھائی مگر اس پر بھی انہوں نے تصدیق نہ کی۔ عـہ

عـہ تفسیر حافظ ابن کثیر صفحہ (۳۱۱)۔

عبادات اور معرفت کے بعد اخلاق کا بیان ہے یعنی حقوق اللہ
کے بعد حقوق العباد کو بیان فرماتا ہے اور اس کی ابتداء حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی مہمان نوازی کے ذکر سے فرمائی ہے۔

51-24 هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ
51-25 دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
51-26 فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ
51-27 قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا
51-28 لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ
51-29 فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا
51-30 كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی جب وہ
(مہمان) ان (ابراہیم) کے پاس آئے تو کہا (تم پر) سلام ہو۔
(ابراہیم نے اس کے جواب میں اون سے) سلام کہا (اور خیال کیا کہ
یہ) اجنبی لوگ ہیں۔ پھر وہ چپ کے سے اپنے اہل کی طرف گئے اور ایک فربہ[ع]

ع سورۃ ھود میں بعجل حنیذ ہے اور یہاں سمین ہے۔ یعنی وہاں بچھڑے کی حالت کا

بچھڑا (بھونا ہوا) لے کر آئے اور اس کو ان کے سامنے بڑھا دیا (مگر
مہمانوں نے اس کو ہاتھ نہ لگایا تو ابراہیم نے) کہا کیا تم نہیں کھاتے
پھر ان لوگوں سے (دل میں) خوف[1] محسوس کیا (تو) ان لوگوں (یعنی
مہمانوں نے ابراہیم سے) کہا کہ آپ خوف نہ کیجئے اور انہوں نے
آپ (ابراہیم) کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت دی۔ پھر تو ان
(ابراہیم) کی بی بی سارہ (خوشی سے) چلانے لگیں۔ اور (حیرت سے)
اپنے ماتھے پر ہاتھ[2] مار کر کہا کہ (کیا) بڑھیا بانجھ کو (لڑکا ہوگا تو) انہوں
(یعنی فرشتوں) نے کہا کہ تیرے پروردگار نے یہی فرمایا ہے بے شک
وہ بڑا حکمت والا اور بڑا دانا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور یہاں اس کی صفت کا بیان ہے۔ حنیذ کے معنی مشوی یعنی بھونے ہوئے کے ہیں وقیل ھو المشوی بحر الحجارۃ من غیر ان تمسہ النار (تفسیر قرطبی) جلد نہم صفحہ ۶۳ مطبوعہ مصر)

[1] الوجس الصوت الخفی۔ فالوجس قال وھو حالۃ تحصل من النفس بعد الھاجس لان الھاجس مبتدء التفکر ثم یکون الواجس الخاطر الخیفۃ الحالۃ التی علیھا الانسان من الخوف (مفردات راغب)

[2] فاقبلت امراتہ فی صرۃ فصکت وجھھا وقالت عجوز عقیم۔ قال البیضاوی ای فلطمت باطراف الاصابع جبھتھا فعل المتعجب (محیط المحیط)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں ہیں جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی سختیاں جھیلیں اور ہر ابتلاو امتحان میں ثابت قدم رہے۔ دہکتی آگ میں جھونکے گئے مگر اُف نہ کی اپنے مالک کی خوشنودی کے لئے لخت جگر کے گلے پر چھری پھیرنے کے لئے تیار ہو گئے اور تیوری پر بل نہ آیا۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بار بار آتا ہے جس کے بظاہر دو سبب معلوم ہوتے ہیں:—

(۱) آپ نے دعوت اور تبلیغ دین کے سلسلے میں کئی ہجرتیں کیں اور منکرین کی سرکشی سے جو رکاوٹیں آپ کو پیش آتی گئیں آپ نے ان سب کا مقابلہ ہمت و استقلال سے کیا آخر کار منکرین کی بدانجامی اور حق کی فتح ہوئی۔ اس سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ قرآن کے پہلے مخاطب بنی اسمٰعیلؑ یعنی عرب اور بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کے دادا ہوئے اس طرح عرب کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی بار بار یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ گمراہی چھوڑ دو اپنے دادا یعنی ہمارے

مقبول بندے ابراہیمؑ کی پیروی کرو اور ہمارے محبوب بندے **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دین تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ وہی ملت ابراہیمی ہے جس کو تمہارے آباؤ اجداد نے بھلا دیا تھا اور نفس وشیطان کے پھندے میں پھنس کر اس راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔ اَب وہی دین آخری نبیؐ کے ذریعے آخری مرتبہ تمہارے سامنے پیش کیا جارہا ہے اس کو قبول کروگے تو نجات پاؤگے ورنہ عاقبت برباد ہو جائے گی اور تمہارے دادا ابراہیمؑ کی تکذیب کرنے والوں کا جو انجام ہوا تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کے معزز مہمان

حضرت ابراہیمؑ بڑے مہمان نواز تھے ایک روز ان کے سامنے تین خوب صورت نوجوان آئے اور آپ کو سلام کیا۔ ان نوجوانوں کے چہروں سے انتہائی حسن وجمال کے ساتھ غیر معمولی ہیبت ووقار کے آثار بھی ظاہر ہو رہے تھے کیوں کہ یہ دراصل خدا کے پاک فرشتے تھے مگر حضرت ابراہیمؑ نے ان کو نہیں پہچانا۔ آپ ان کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی ضیافت کے لئے چپ کے سے اپنے گھر کے اندر گئے اور اپنے

مال میں سے ایک بہترین موٹا تازہ بچھڑا لے کر ذبح کیا اور اس کا بھنا ہوا گوشت مہمانوں کے سامنے پیش کیا مگر ان مہمانوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ کوئی بُرے ارادے سے آئے ہوں جو حسب دستور کھانے سے پرہیز کر رہے ہیں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قد ذھب الامام احمد وطائفۃٌ من العلماء الی وجوب الضیافۃ للنزیل وقد وردت السنۃ بذٰلک۔ یعنی علمار کی ایک جماعت اور ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ نزیل یعنی مہمان کی ضیافت واجب ہے۔

شیخ اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ فی الحدیث من آمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ یعنی حدیث میں ہے کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہئے۔ اکرام سے مراد خندہ روئی سے مہمان کا استقبال کرنا اور اس کی ضیافت میں جلدی کرنا اور اپنی ذات سے مہمان کی خدمت کرنی ہے۔ اس سے مراد کھانے کی کثرت نہیں بلکہ اپنی ذات سے

مہمان کی خدمت کرنا مہمان کی عزت ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ مہمان کی اپنے باپ کی اور استاد کی خدمت کسی شخص کے لئے بھی عار نہیں خواہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہو۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں حسب ذیل آداب ضیافت کو سلسلے وار بیان فرمایا گیا ہے:—

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے سامنے بہت جلد کھانا لے کر آگئے اور ان مہمانوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

(۲) آپ کو اپنے پاس جو سب سے بہتر چیز مل سکی وہ ان کے آگے پیش کر دی۔

(۳) آپ نے یہ نہیں کیا کہ کھانا ایک جگہ رکھ کر مہمانوں کو آگے بڑھنے کے لئے کہا ہو بلکہ خود کھانا ان کے آگے بڑھا دیا تاکہ ان کو زحمت نہ ہو۔

(۴) ان کو کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ نہایت شفقت و مہربانی سے بطور درخواست ان سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ کھانا تناول نہ فرمائیں گے مگر ان مہمانوں نے اس کو ہاتھ نہ لگایا تو حضرت ابراہیمؑ کو ان کی طرف سے

دل میں خوف محسوس ہوا۔ اس پر انہوں نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ خوف نہ کیجے اور ساتھ ہی آپ کو ایک بیٹے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی کی خوش خبری سنائی کہ یہ ہونے والا لڑکا بڑا ہو کر بڑا ہی دانش مند یعنی نبی ہوگا۔ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت بی بی ہاجرہؓ کے بطن سے ایک فرزند تھے جن کا نام حضرت اسمٰعیلؑ ہے مگر اس وقت تک آپ کی پہلی بی بی حضرت سارہؓ سے کوئی اولاد نہ تھی۔ خدا کے فرشتوں نے جب آپ کو یہ بشارت دی ہے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سَو سال اور حضرت بی بی سارہؓ کی عمر نوّے ۹۰ سال کی تھی[ع]۔ اس لئے ان کو یہ حیرت ہوئی کہ جوانی اور کہولت کے دونوں زمانے گذر گئے اور اولاد نہ ہوئی تو اب اس بڑھاپے میں کیسے اولاد ہوگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو خدا کی قدرت میں کوئی شک وشبہ تھا بلکہ ان کا یہ کہنا بہ لحاظ عادت تھا کیوں کہ عام طور پر انقطاع حیض کے بعد اولاد نہیں ہوتی اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو عجوز عقیم کہا۔

اس وقت حضرت بی بی سارہؓ پر خدا کی بے پایاں رحمتوں کی بوچھار

ع قصص القرآن جلد اول صفحہ (۲۲۷)۔

ہو رہی تھی ۔

(۱) فرشتے جن پر ان کا ایمان بالغیب تھا وہ اب ان کے سامنے اور ان کے مہمان تھے ۔ جس سے ان کا ایمان یکایک علم الیقین سے عین الیقین کے مرتبے تک پہنچ گیا ۔

(۲) اولاد کی دیرینہ آرزو پوری ہونے کی خوش خبری ملی وہ بھی خدا کی طرف سے اور اس کے فرشتوں کی زبانی ۔

(۳) فرشتوں سے ہم کلامی اور مخاطبت کا شرف ۔

(۴) خرق عادت کا ظہور یعنی ان کی خاطر عام قانون قدرت کی تبدیلی

یہ ساری باتیں اس بے پایاں رحمت پر دلالت کرتی ہیں جو اس وقت اس خاندان پر نازل ہو رہی تھی ۔ الحاصل یہ کہ حیرت مسرت اور شکر گزاری کے ملے جلے جذبات نے حضرت بی بی سارہ رضؓ کو بے خود کر دیا تھا اور اس عالم میں ان سے جو اضطراری حرکتیں صادر ہوئیں وہ اس مالک حقیقی کو اتنی پسند آئیں کہ اپنے حبیب پاک سے ان کا تذکرہ فرماتا ہے تاکہ قیامت تک یہ واقعات محفوظ رہیں ۔ اور لوگ اس مقبول و برگزیدہ بندے کے دین ابراہیمی کی پیروی کی سعادت حاصل کریں

جس نے ان کا نام مسلمان رکھا۔

1-32 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى 51-31
1-34 قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً 51-33
عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ 51-35
1-37 فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا 51-36
1-38 فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ وَفِيْ 51-39
1-39 مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى
1-40 بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ 51-41
الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ 51-42
1-43 كَالرَّمِيْمِ ۝ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝
فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ 51-44
يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ 51-45
وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ 51-46

ل الخطب الامر العظیم یکثر فیہ التخاطب (مفردات راغب)۔

51-48 وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا
51-49 فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ○ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ
51-50 تَذَكَّرُوْنَ ○ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ط اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ج
وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ط اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○
كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا
51-55 سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ج بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ج
51-56 فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ○ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى
تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○
51-59
51-60 مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ○ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ج

(ابراہیم نے ان فرشتوں سے) کہا کہ تمہیں کونسی مہم درپیش ہے
اے (خدا کے) بھیجے ہوئے (فرشتو) ۔ ان (فرشتوں نے) کہا کہ ہم ایک
گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر گارے کے (ایسے)

پتھر برسائیں جو حد سے گزر جانے والوں کے لئے آپ کے پروردگار کے پاس سے نشان کردئے گئے ہیں۔ مگر اس میں جو ایمان دار ہیں ہم نے ان کو (اس عذاب سے) خارج کردیا مگر اس (بستی) میں ہمیں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ملا اور دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لئے وہاں ہم نے ایک نشانی چھوڑی ہے۔

اور موسیٰ (کے قصے) میں بھی (ایک نشانی) ہے جب ہم نے اس (موسیٰؑ) کو ایک کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا تو اس نے اپنی قوت (یعنی اراکین سلطنت) کے ساتھ روگردانی کی۔ اور (موسیٰ کے متعلق) کہا کہ (یہ) جادوگر یا دیوانہ ہے لہٰذا ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا۔ اور وہ (فرعون) سزاوار ملامت تھا۔ اور قصۂ عاد میں (بھی ایک نشانی) ہے جب ہم نے ان کی طرف ایک مضر ہوا بھیجی کہ وہ جس چیز کو لگی اس کو بوسیدہ (ہڈی کا) سا بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ اور ثمود (کے قصے) میں بھی (ایک نشانی) ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ایک مدت تک فائدہ اٹھاؤ۔ مگر انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی تو ان کو کڑاکے نے آلیا اور وہ

دیکھ رہی تھی مگر وہ کھڑے نہ ہو سکے اور نہ وہ بدلہ لے سکے۔ اور ان سے پہلے ہم نے
نوحؑ کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ لوگ بدکار تھے۔
ہم نے اپنی قدرت سے آسمان کو بنایا اور بے شک ہم بڑی قدرت
والے ہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا اور ہم سب سے اچھا بچھانے والے
ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم غور کرو (اے پیغمبر آپ ان سے
کہئے کہ) اللہ کی طرف بھاگو۔ بے شک میں خدا کی طرف سے کھلا ہوا
ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ بے شبہ
میں اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح ان سے
پہلے بھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے اس کو یہی کہا کہ وہ جادوگر
یا دیوانہ ہے (کیا یہ) لوگ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے آرہے
ہیں۔ بلکہ یہ ایک سرکش قوم ہے۔ پس (اب) آپ ان لوگوں سے
منہ پھیر لیجئے آپ پر (عدم تبلیغ کا) الزام نہیں (لگ سکتا) اور (مسلمانوں
کو) نصیحت کیجئے کیوں کہ نصیحت مومنین کو نفع دیتی ہے۔ اور نہیں پیدا
کیا میں نے جن و انس کو مگر اس لئے کہ وہ (اللہ کی) عبادت کریں۔
میں ان سے نہ تو رزق کا طالب ہوں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے

کھانا کھلائیں ۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا (اور) زبردست
قوت والا ہے ۔ پس بے شک جن لوگوں نے ظلم کیا ان کو بھی وہی نصیب
ہوگا جیسا ان کے (گزرے ہوئے) دوستوں کو نصیب ہوا تھا مگر وہ مجھ سے
(اس کی) جلدی نہ کریں ۔ پس انکار کرنے والوں کے لئے افسوس ہے
اوس دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب جس طرح ایک حقیقت ہوتے ہیں اسی طرح ان کے خطرات بھی اپنے اندر ایک صداقت رکھتے ہیں اس لئے آپ کو پھر بھی ایک تشویش باقی تھی کہ یہ فرشتے اگرچہ یہاں تو کسی برے ارادے سے نہیں آئے مگر کوئی دوسرا خاص اور بڑا کام ضرور ان کے پیش نظر ہے ۔ اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسی مہم درپیش ہے ۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا اور جواب ملا کہ

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ	یعنی ہم مجرمین کی طرف بھیجے گئے ہیں ۔ مجرمین سے

یہاں اہل سدوم حضرت لوط علیہ السلام کی امت مراد ہے جو کفر و بے دینی اور اپنے نبی کی تکذیب و انکار کے ساتھ ساتھ بد اخلاقی میں حیوانات سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ اور ایسی بدکاری کی موجد تھی جس کا نتیجہ پوری نوع انسانی کی تباہی ہو سکتا تھا۔ غرض معاشرۂ انسانی کے لئے یہ قوم ایک عضوِ فاسد کا حکم رکھتی تھی جس کو یک لخت قطع کر دینے کی ضرورت تھی تاکہ یہ مرض پھیل کر تمام معاشرے کے جسم کو برباد نہ کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ صاحبِ شریعت رسول تھے اور حضرت لوطؑ ان کے بھتیجے ان کی شریعت کے پیرو اور منصب نبوت سے سرفراز تھے۔ آپ کو حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حکم سے اہل سدوم کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں آپ کی دعوت و تبلیغ پر کسی نے توجہ نہ کی بلکہ آپ کا مذاق اڑایا اور اپنی بے حیائیوں اور خباثتوں سے باز نہ آئے۔ حضرت لوطؑ کو یہ جواب دیا کہ "اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ" یعنی لوط اور ان کے خاندان کو اپنی بستی سے باہر نکال دو بے شک یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت لوطؑ ان کو برابر سمجھاتے اور ہدایت کرتے رہے مگر اہل سدوم کو اپنی خباثت اور

بے حیائی پر ناز تھا۔ قبولِ حق کی صلاحیت ان سے معدوم ہو گئی تھی لہٰذا جب ان سے کوئی جواب نہ بن آیا تو انہوں نے حضرت لوطؑ کو دعوت مقابلہ دی کہ " اِئۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ " یعنی اگر تم سچے ہو تو ہم پر خدا کا عذاب لاؤ۔ بس اس دعوت مقابلہ کے جواب میں ان کا منہ مانگا عذاب لے کر یہ فرشتے اس قوم کو برباد کرنے جا رہے تھے۔

خطیب شربینی نے یہاں ایک نازک سوال اٹھایا ہے اور اس کا ایک بہترین جواب بھی دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو فرشتے امتِ لوطؑ پر عذاب لے جا رہے تھے تو ان کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس ٹھیرنا اور آپ کو اولاد کی خوش خبری سنانا اس وقت کے لحاظ سے کیا معنی رکھتا ہے اس کے جواب میں خطیب موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ چونکہ شیخ الانبیاء ہیں اور خود حضرت لوطؑ بھی چوں کہ آپ کے پیرو اور آپ ہی کے دین کی طرف اہل سدوم کو دعوت دے رہے تھے اس لئے صاحب شریعت یعنی حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس سے مطلع کر دینا ضروری تھا۔ کیوں کہ اصل صاحب شریعت تو حضرت ابراہیمؑ تھے اس لئے پہلے

آپ کو مطلع فرما دیا گیا کہ لوطؑ کی امت نے ہماری اس شریعت کا انکار کیا جو ہم نے تم پر نازل کی تھی اور جس کی تبلیغ و دعوت لوطؑ کے ذریعہ اہل سدوم کو دی گئی تھی لہذا ان سرکشوں کے مطالبہ پر ہمارا عذاب نازل کیا جارہا ہے۔ اور اس کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دینے میں یہ مصلحت تھی کہ اس عذاب میں جس قدر لوگ ہلاک ہوں گے ان سے بہت زیادہ لوگ خود تمہاری اس نسل سے خدا پیدا کردے گا۔ لہٰذا اسی کا نتیجہ ہے کہ نسل بنی اسرائیل کی دنیا میں کثرت ہوئی۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام ہے اور وہ حضرت اسحٰقؑ کے فرزند ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل سدوم پر اُن کا منہ مانگا عذاب نازل ہوا جس کی چار صورتیں قرآن حکیم کے مختلف سورتوں میں بیان ہوئی ہیں:—

(۱) ان کی آنکھیں چوپٹ کردی گئیں۔

(۲) صاعقہ یعنی ایک ہولناک آواز نے ان کو آلیا۔

(۳) ان پر گارے کے پتھر برسائے گئے۔

(۴) وہ خطۂ زمین الٹ دیا گیا۔

جس وقت یہ عذاب نازل ہوا ہے اس وقت ساری بستی میں صرف ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا۔ اور وہ حضرت لوطؑ کا گھر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا اور وہ اس بستی سے باہر چلے گئے۔ خود حضرت لوطؑ کی بی بی بھی دولت ایمان سے بے بہرہ تھیں اس لئے وہ بھی اس عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ اس قوم کی تباہی و بربادی بھی ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو خدا کے دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

دوسری نشانی حضرت موسیٰؑ کا واقعہ ہے۔ آپ کھلے اور روشن دلائل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجے گئے مگر وہ اپنی حکومت کے نشہ میں چور تھا اور شان و شوکت کے گھمنڈ میں آپے سے باہر تھا۔

فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رُکْنِہٖ سے بِقَوْمِہٖ مراد ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ برکنہ سے بعضدہٖ و اصحابہٖ مراد ہے یعنی اس نے اپنے ارکین سلطنت کے ساتھ خدا کے فرستادہ پیام سے منہ پھیر لیا۔ فرعون نے پہلے تو حضرت موسیٰؑ سے

لہ تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۱۵ ۔

معجزات طلب کئے مگر جب معجزات دیکھ چکا تو حق کو قبول کرنے کی بجائے نہایت دریدہ دہنی اور گستاخی سے پیش آیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی نسبت یہ کہا کہ (معاذ اللہ) یہ جادوگر یا دیوانہ ہے مگر اس سے خدایا موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگڑا بلکہ آخر کار وہ سرکش اپنے خدم وحشم کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے حکم سے دریا میں غرق کر دیا گیا اور ساری شیخی کرکری ہو گئی۔

تیسری۳ نشانی ۔ قوم عاد کی تباہی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور حق کو قبول نہ کیا۔ اور آپ کو (معاذ اللہ) بے وقوف کہا۔ مگر حضرت ہودؑ اس پر بھی اپنی دعوت وتبلیغ سے باز نہ آئے اور ان کو برابر ہدایت کرتے رہے اور خدا کے عذاب سے ڈراتے رہے آخر ان لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ "فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ" یعنی اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ ہمارے پاس لاؤ۔ حضرت ہودؑ نے اس پر بھی ہمت نہ ہاری اور ان کو سمجھایا مگر اس بدنصیب قوم پر کوئی اثر نہ ہوا آخر ان کا بھی منہ مانگا ہولناک عذاب ان پر

مسلط ہو گیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل سخت ہوا کے طوفان آتے رہے اور ان کی ساری آبادی کو تہ و بالا کر ڈالا۔ ان میں کے بڑے بڑے طاقت ور اور گراں ڈیل جوان جو اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اس ہوا نے ان کو ایک تنکے کی طرح اٹھا کر پھینک دیا۔ اور وہ مر کر فنا ہو گئے۔ یہ ہوا ایسی تباہ کن تھی کہ جس چیز کو لگتی اس کو پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دیتی اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ چیز گویا ایک بوسیدہ ہڈی ہے۔ غرض ان سرکشوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تاکہ ان کی تباہی آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کی نشانی بنے

چوتھی نشانی۔ قوم ثمود کی تباہی ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ کی تکذیب کی۔ پہلے ان سے معجزہ طلب کیا اور جب ان کی شرائط کے بموجب اونٹنی ظاہر ہوئی تب بھی وہ ایمان نہ لائے اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ایک دن موقع پا کر خدا کی اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالحؑ بہت دل گیر ہوئے اور فرمایا کہ اے بدبخت قوم اب عذاب الٰہی کا انتظار کر۔ تین روز کے بعد خدا کا عذاب نازل ہو گا اور تم سب کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دے گا۔ بیہقیؒ اپنی سنن میں قتادہؓ سے روایت

کرتے ہیں کہ "اِذْ قِیْلَ لَھُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ" سے مراد یہ ہے کہ پہلے ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اور تین دن تک انہیں اس دنیا میں رہنا ہے۔ آن موعودہ تین دنوں میں ان کے چہروں کے رنگ بدلتے گئے۔ پہلے روز زرد دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن ان سب کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ بہر حال تین دن اس ہیبت و پریشانی میں گزرے۔ اور اس کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور ان کو صاعقہ نے لے لیا۔ صاعقہ کے متعلق راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ الصاعقۃ الصوت الشدید من الجوّ ثم یکون منه ناراً فقط اوعذاب اوموت وھی فی ذاتھا شیئ واحد وھذہ الاشیاء تاثیرات منھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ثمود پر عذاب الٰہی ایک ہیبت ناک آواز کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور ان میں کا ہر شخص جہاں تھا وہیں ہلاک ہو گیا۔ یعنی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ وہ اپنی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے مگر ان میں اپنی جگہ سے اٹھنے کی سکت بھی نہ تھی۔

وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۙ اس کا مطلب فقیر کے خیالِ ناقص میں یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر

ماں باپ سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں مگر منکرین اپنی جہالت وحماقت یا ضد و عناد سے ان کو اپنا دشمن سمجھتے اور ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اسی طرح قوم ثمود بھی اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو اپنا دشمن اور حریف خیال کرتی تھی۔ اور اسی مخالفت و عداوت نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ انہوں نے حضرت کو دعوت مقابلہ (چیلنج) دے دی کہ ہم پر عذاب لاؤ۔ مگر جب عذاب الٰہی نازل ہوا تو ساری قوم دیکھتے دیکھتے نہایت بے بسی سے ہلاک و برباد ہو گئی اور اپنے مزعومہ دشمن یعنی حضرت صالح علیہ السلام سے نہ بدلہ لے سکی اور نہ ان کا کچھ بگاڑ سکی۔

یہی حالت بعینہ منکرین قریش اور کفار مکہ کی تھی کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ مخالفت کرتے رہے۔ آپ کے درپئے آزار اور جان کی گھات میں تھے۔ ثمود کی تباہی میں ان کے لئے یہ درس عبرت ہے کہ جب ناقۃ اللہ کو ہلاک کر دینے کا انجام ایک قوم کی تباہی و بربادی ہوا تو حبیب اللہ کی جان کو نقصان پہنچانے کا انجام کتنا خطرناک ہوگا اس کا اندازہ بھی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

پانچویں نشانی حضرت نوحؑ کی قوم کا انجام ہے کہ انہوں نے حضرت نوحؑ کی دعوت قبول نہ کی اور اپنی بداعمالیوں سے باز نہ آئے نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے ایک سیلاب سے انہیں تباہ کر ڈالا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ پانچ نشانیاں اگلی امتوں کی بیان فرمائی ہیں تاکہ اُس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین ان واقعات سے درس عبرت حاصل کریں کہ اگلی امتوں میں جن لوگوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور حق کو قبول نہ کیا اپنے کفر و بداعمالیوں سے باز نہ آئے۔ خدا اور اُس کے پیغمبروں سے مخالفت و گستاخیاں کیں ان سب کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ اُن کی جسمانی طاقت۔ اُن کی دولت۔ اُن کی شوکت وسلطنت وغیرہ یہ سب چیزیں ان کے کچھ کام نہ آئیں۔ وہ تباہ ہوئے اور ان کی تباہیاں آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر ان نشانیوں سے قسی القلب جن کا ضمیر فنا ہو گیا ہے وہ کوئی

فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بلکہ ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دلوں کے کسی نہ کسی گوشے میں کچھ نہ کچھ خوف خدا جاگزیں ہے۔

منکرین کی بھی ذہنیتیں مختلف ہوتی ہیں کوئی محض ضد و عناد یا خباثتِ نفس سے حق کا انکار کرتا ہے اور کوئی قبولِ حق میں اس لئے پس و پیش کرتا ہے کہ ابھی امرِ حق اس کے سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے قرآن حکیم نے بھی بیان کے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ جو لوگ بدباطنی یا خباثت سے انکار کرتے ہیں ان کو اگلی امتوں کے منکرین اور ان کا انجام بتایا ہے کہ وہ خدا کے خوف سے راہ راست پر آجائیں۔ اور جو بدباطن تو نہیں مگر امرِ حق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پس و پیش و تردد کی حالت میں ہیں ان کے لئے اپنی قدرت و عظمت کی نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کے منکرین کے لئے مذکورہ پانچ نشانیاں اندار اً بیان فرمایا جن سے اس کی ہیبت و سطوت ظاہر ہوتی ہے اب ایسی تین نشانیاں بیان فرماتا ہے جو اہل فکر و نظر کو دعوت فکر دیتی ہیں تاکہ جن لوگوں نے ابھی حق کو نہ سمجھا ہو وہ ان پر غور کریں کیوں کہ ان سے ان کے خالق کی قدرت و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ ۔الآیۃ ہم نے آسمان[1] کو اپنی قدرت سے پیدا کیا زمین[2] کو پھیلا کر بچھایا۔ اور ہر[3] چیز کے جوڑے پیدا کئے۔ زمین و آسمان سے کائنات علوی و سفلی مراد ہے جس طرح کہ اوپر بیان ہو چکا۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ کی تفسیر میں ابن جریرؒ وابن منذر مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد کفر و ایمان۔ شقاوت و سعادت ہدایت و گمراہی۔ رات دن۔ جن و انس۔ بر و بحر۔ شمس و قمر صبح و شام اور اسی قسم کے جوڑے ہیں۔ یعنی اس آیت کے مفہوم میں نر و مادہ کے علاوہ اضداد بھی داخل ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تاکہ تم ان پر غور کرو۔ یعنی ان پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی ضد اور مقابل موجود ہے اور بقولِ خرازؒ "فردانیت" صرف اسی ایک ذات کے لئے مخصوص ہے جو اس کا خالق اور رب ہے۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اب اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیبؐ پاک سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ کی طرف بھاگیں۔ یعنی جن لوگوں نے ہمارے کلام کو سمع قبول سے سنا اور ان آیات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اپنے ضد و عناد سے باز آگئے یا جن کا شک و تردد رفع ہوگیا آپ ان سے کہئے کہ وہ کفر سے ایمان کی طرف۔ معصیت سے اطاعت کی طرف باطل سے حق کی طرف۔ ظلمت سے نور کی طرف۔ جہل سے علم کی طرف۔ شک و تردد سے یقین کی طرف بھاگیں۔ اور یہ حکم آپ ان کو اس حیثیت سے دیں کہ آپ ہماری طرف سے کھلے ہوئے ڈرانے والے ہیں۔ اور آپ ان سے یہ فرما دیجئے کہ اس کے بعد وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر و نہی کا مجاز گردانا ہے۔ اس کے بعد اپنے حبیبؐ پاک کو تسلّی دیتا ہے کہ جن لوگوں میں قبول حق کی صلاحیت نہیں ہے وہ آپ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ آپ ان کی باتوں سے ملول و دل گیر نہ ہوں

ان سے پہلے کے منکرین کی بھی یہی حالت تھی کہ ہماری طرف سے جو رسول ان کے پاس بھیجا جاتا تو وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے آپ کے ساتھ بھی ان کا وہی عمل ہے جو اگلی امتوں کے سرکشوں کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ رہا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے آرہے ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ منکرین انتہائی سرکش ہیں۔ اگر یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے اور ایمان

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝

نہیں لاتے تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے کیوں کہ آپ نے دعوت وتبلیغ کا حق ادا کر دیا اور خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ لہٰذا آپ ان سے منہ پھیر لیجے اب ان سے خطاب کرنے اور ان کو پیغام حق سنانے کی ضرورت نہیں۔

تفسیر درمنثور میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے دو روایتیں منقول ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے صحابہ کرامؓ سخت پریشان ہوئے اور ان کو خیال ہوا کہ اب عذاب الٰہی نازل ہوا چاہتا ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ پھیر لینے کا

حکم دیا گیا ہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

تو صحابہؓ کو اطمینان ہوا۔ اور ذَکِّرۡ سے مراد یہاں یہ ہے کہ قرآن حکیم کے ذریعے نصیحت کیجے۔ ابن منذر نے سلمان بن حبیب المحاربی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کے دل میں نصیحت کا اثر محسوس ہو تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مومن ہے[1]۔ نفس انسانی میں دو قسم کی قوتیں ہیں نظری و عملی[2]۔ قوت نظری کی تکمیل ایمان و عرفان سے ہوتی ہے اور قوت عملی کی تکمیل عبادت و اطاعت سے۔ اور انہیں دونوں قوتوں کی تکمیل کے لئے انبیا علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں لہٰذا قوت نظری کی تکمیل کے بعد اب قوت عملی کی تکمیل کا بیان ہے۔ مگر خیال رہے کہ عمل فرع ہے اور ایمان اصل یعنی بغیر ایمان کے کوئی عمل نجات نہیں دلا سکتا۔

---

[1] تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۱۶

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ | یعنی جن و انس کو پیدا کرنے سے

خدا کی کوئی غرض نہیں کہ جس سے اس کی تکمیل ہو بلکہ ان کی غایتِ آفرینش یہ ہے کہ یہ دونوں خدا کی عبادت کریں تاکہ ان کا ایسا تزکیۂ نفس ہو جو نجات و عرفان کے لئے ضروری ہے اور اس سے ان کی روحانیت ترقی کرے ورنہ خدا ان کی عبادت کا محتاج نہیں۔ لہٰذا یہاں غایت بمعنیٰ "حکمت" ہے کیوں کہ یہی فعل جب خدا کی طرف منسوب ہو تو حکمت ہے اور مخلوق کے لحاظ سے غایت اور مقصودِ حیات ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا" اس امر سے امرِ تکلیفی مراد ہے نہ کہ امرِ تکوینی۔

اور مجاہد یہ فرماتے ہیں اور بغوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ "یَعْبُدُوْنَ" سے "یَعْرِفُوْنَ" مراد ہے اور اس توجیہ کا مدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ" مگر معرفت سے مراد وہ معرفت ہے جو عبادت سے

حاصل ہوتی ہے نہ کہ وہ معرفت جو فلاسفہ کو حاصل ہوتی ہے ۔

صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ عبادت کی دس قسمیں ہیں؛ نماز (۱) ۔ زکوٰۃ (۲) ۔ روزہ (۳) ۔ حج (۴) ۔ تلاوت قرآن (۵) ۔ ہر حال میں خدا کا ذکر کرنا (۶) ۔ طلب حلال (۷) ۔ مسلمانوں کے حقوق اور حقوق صحبت کا ادا کرنا (۸) ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا (۹) ۔ اور سنت کی اتباع کرنا (۱۰) ۔ اور یہ سعادت کی کنجی اور اللہ کی محبت کی نشانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" عہ

اس کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ اپنی بے نیازی کو بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے مستغنی ہے ۔

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ	میں اپنے بندوں سے رزق کا طالب نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں ۔

خطیب شربینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں یہ تعریض ہے کہ

عہ تفسیر روح البیان جلد نہم صفحہ (۱۷۹) ۔

کافر جس طرح اپنے اصنام کے آگے کھانا بطور بھوگ چڑھاتے ہیں اللہ ایسے بھوگ کا طالب نہیں بلکہ

هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ

بے شبہ اللہ ہی ان کو رزق دینے والا اور قوت والا ہے۔ اب منکرین اپنی اس حماقت پر غور کریں کہ حقیقتاً لائق عبادت کون ہے وہ بے حس و حرکت معبود جن پر خدا کا دیا ہوا رزق چڑھایا جا رہا ہے اور وہ رزق سے فائدہ اٹھانا تو کجا اس پر جو مکھیاں بھنکتی ہیں ان کو اڑا بھی نہیں سکتے یا وہ خدا جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور ان سب کو رزق دیتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ۔ اس کے بعد منکرین کے انجام کے متعلق فرماتا ہے کہ

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الآیہ

یعنی جن لوگوں نے رسولِ اکرم کی تکذیب کی ان کا حشر بھی اگلے ظالموں کا سا ہوگا۔ ذَنوب اصل میں پانی سے بھرے ہوئے بڑے ڈول کو کہتے ہیں لیکن یہ مجازاً نصیب (حصے) کے معنی میں

مستعمل ہے اور گذشتہ امتوں کے ظالموں کو ان ظالموں کے اصحاب فرماتا ہے اور اصحاب جمع ہے صاحب بمعنی ساتھی کی جس کے لئے صحبت ضروری ہے لہذا یہاں ان کی صحبت ماضیہ مراد نہیں بلکہ صحبت آتیہ مراد ہے یعنی یہ منکرین بھی دوزخ میں اگلی امتوں کے منکروں کے ساتھ رہیں گے ۔ حاصل یہ کہ قیامت میں جو سزا ان ظالموں کو ملنے والی ہے وہی ان کے لئے بھی یقینی ہے مگر وہ اس سزا کے لئے جلدی نہ کریں ۔ کیوں کہ ہم نے اپنے حبیب پاک محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔ اس لئے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر ان کی موجودگی میں اسی دنیا میں جس طرح عذاب نازل کیا گیا تھا ویسا عذاب ان پر نازل نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کا عذاب قیامت پر موقوف ہے ۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا الآية پھٹکار ہے ان لوگوں پر جو اپنے موعودہ دن یعنی قیامت کا انکار کرتے ہیں کیوں کہ ان کے انکار سے یہ دن ٹل نہیں سکتا اور نہ وہ عذاب دوزخ سے بچ سکتے ہیں ۔ (الحمد للہ کہ تفسیر سورہ ذٰریٰت ختم ہوئی)

52 Toor بسم اللہ الرحمن الرحیم Makky
Aayaath 49

سورۂ طور

یہ سورہ مکی ہے اس میں انچاس ۴۹ آیتیں۔ تین سو بارہ ۳۱۲ کلمے۔ اور پندرہ سو ۱۵۰۰ حروف ہیں (تفسیر نیشاپوری)

امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرہ نے جبیر بن مطعمؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں "سورۂ طور" پڑھتے ہوئے سنا۔ دوسری روایت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پہلو میں نماز ادا فرمارہے تھے اور اس میں سورۂ طور کی قرات فرمارہے تھے۔[1]

اس سورۃ کو اگلی سورۃ سے یہ مناسبت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قسم سے شروع ہوئی ہیں اور ان دونوں میں حشر کا بیان ہے۔ اس سورۃ کا اول حصہ اگلی سورۃ کے آخر سے یہ مناسبت رکھتا ہے کہ اگلی سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فویلٌ للذین کفروا"

---

[1] تفسیر فتح القدیر جلد پنجم ص۹۱

اور اس سورۃ کے شروع میں " فویل یومئذ للمکذبین " نیز اگلی
سورۃ کے آخر میں " فان للذین ظلموا ذنوباً " ارشاد ہوا تھا جس میں
عذاب کی طرف اشارہ ہے اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے رب کا
عذاب ضرور واقع ہوگا۔[1]

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ 52- 1
52- 2
الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ 52- 4
52-5
عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ
مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ 52-8
52-10
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى 52- 12
نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝
اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا
52-15
اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ 52- 16

قسم ہے (کوہ) طور کی۔ اور کشادہ ورق پر لکھی ہوئی کتاب کی۔ اور
بیت المعمور کی۔ اور بلند چھت کی۔ اور بھرپور دریا کی۔ بے شک

[1] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۶۶۴ ۔

آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہے گا۔ اس (عذاب) کا کوئی ٹالنے والا
نہیں۔ جس دن آسمان لرزنے لگے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ پس اس
دن جھٹلانے والوں کے لئے افسوس ہے جو (اپنی) بیہودہ گوئی سے
کھیلتے ہیں جس دن وہ دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لائے
جائیں گے۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ آگ جس کو تم
جھٹلایا کرتے تھے (اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے یا تمہیں دکھائی نہیں
دیتا۔ اس میں داخل ہو۔ خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے دونوں
یکساں ہیں۔ یہ تمہیں محض تمہارے کرتوت کی سزا مل رہی ہے۔

اس سے پہلی سورۃ میں روز قیامت کا بیان فرمایا تھا کہ آپکے
منکرین بھی اگلی امتوں کے منکرین کے ساتھ رہیں گے کیوں کہ آپکے
ساتھ ان کا طرز عمل بھی وہی ہے جو اگلی امتوں کے منکرین کا اپنے
پیغمبروں کے ساتھ تھا۔ اس لئے ان دونوں کا ایک ہی حشر اور ایک ہی
انجام ہو گا۔ اب اس سورۃ میں عذاب قیامت کا بیان ہے اور
اس کو حسب ذیل پانچ قسموں کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ منکرین کے

مقابلہ میں اتمام حجت ہو۔ اور جو لوگ قبول حق کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ ان چیزوں پر غور و فکر کریں اور خدا کی قدرت و عظمت اور کمالِ حکمت سے متاثر ہو کر راہ راست اختیار کریں اور عذابِ آخرت سے بچیں:۔

(۱) طور کی قسم (۲) کشادہ اوراق پر لکھی ہوئی کتاب کی قسم
(۳) آباد گھر کی قسم (۴) اونچی چھت کی قسم اور
(۵) بھرپور دریا کی قسم۔

وَالطُّوْرِ اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جس پہاڑ پر درخت ہوں اس کو طور کہتے ہیں جیسے وہ پہاڑ جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام فرمایا تھا۔ اور جس پہاڑ پر درخت نہ ہوں اُسے طور نہیں کہتے بلکہ جبل کہتے ہیں۔ قاضی بیضاوی بھی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ کتاب مسطور کی تفسیر میں حافظ

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس سے مراد لوح محفوظ لیتے ہیں
اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جو لکھی ہوئی
نازل ہوئیں اور لوگوں کے سامنے بالجہر پڑھی جاتی ہیں۔ اس لئے
"رقّ منشور" فرمایا گیا۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ کتاب
مسطور سے مکتوب مراد ہے۔ کیوں کہ حروف مکتوبہ کی ترتیب کو سطر
کہتے ہیں۔ والمراد به القرآن أو ما كتبه الله تعالى في
لوح المحفوظ او في الواح موسیٰ او في قلوب الاولياء
من المعارف والحكم. أو ما يكتبه الحفظة في رق
منشور الرق الجلد الذى يكتب فيه استعير لما كتب
فيه الكتب۔ یعنی اس سے مراد قرآن [1] یا وہ کتاب [2] ہے جو لوحِ
محفوظ پر لکھی ہوئی ہے۔ یا اس سے مراد حضرت موسیٰ کے الواح [3] ہیں
(یعنی وہ تختیاں جن پر توریت کے احکام عشرہ لکھے ہوئے حضرت
موسیٰ کو عطا ہوئے تھے) یا اس سے مراد وہ معرفتیں [4] اور حکمتیں ہیں
جو اولیاء کے قلوب پر خدا کی طرف سے وارد ہوتی ہیں یا اس سے
مراد وہ تحریر [5] ہے جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی جاتی ہے۔ رَق اصل میں

اس (باریک) کھال کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد استعارۃً ہر اس چیز کو کہنے لگے جس پر کتابیں لکھی جائیں۔ حافظ ابن کثیر اور قاضی بیضاوی دونوں نے کتاب کا تعین نہیں فرمایا۔ مگر بعض مفسرین نے کتاب سے توریت مراد لی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ طور کے بعد چونکہ کتاب مسطور کی قسم کھائی گئی ہے اس لئے کتاب سے یہاں وہی کتاب مراد ہے جو طور پر نازل ہوئی تھی اور وہ توریت ہے مگر فقیر کے خیال میں تعین کتاب کے لئے اس سے بھی زیادہ واضح قرینہ موجود ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے اور ان پانچوں میں سے سوا کتاب کے باقی چار پر لام تعریف داخل فرمایا ہے اور علم بلاغت کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی چیز بغیر تخصیص کے مطلق بیان کی جاتی ہے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے نیز جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس پر مخاطب کو نظر عبرت سے دیکھنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ان دونوں امور کو پیش نظر رکھو تو کتاب کا تعین ایک صاف اور کھلی ہوئی بات ہے کیوں کہ جس وقت قرآن حکیم نازل ہوا کوئی

آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہی نہ تھی لہذا یہ ایسی کتاب ہونی چاہئے جس تک ایک متلاشی حق کی رسائی ہو سکے اور وہ اس پر غور و فکر کرے تو اس سے خدا کی قدرت۔ عظمت اور کمال حکمت ظاہر ہو سکے اور یہ مقصد سوائے قرآن حکیم کے اور کسی چیز سے پورا نہیں ہو سکتا لہذا یہاں جس کتاب کی قسم کھائی گئی ہے اس سے مراد کوئی محرف اور منسوخ کتاب نہیں بلکہ قرآن حکیم اور صرف قرآن حکیم ہے۔ اس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین جس کتاب کو شعر یا سحر کہتے یا جس سے روگردانی کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں وہ خدا کے پاس اتنی معظم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی قسم کھاتا ہے واللہ اعلم و علمہ اتم۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان پر تشریف فرما ہوئے تو آپ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے "بیت المعمور" کی طرف بلند کیا گیا اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں یعنی وہاں نماز پڑھتے اور

طواف کرتے ہیں اور وہ پھر اس کی طرف کبھی واپس نہیں آتے اور جس طرح زمین والے کعبہ کا طواف کرتے ہیں اسی طرح فرشتے بھی بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔ بیت المعمور ساتویں آسمان کا کعبہ ہے۔ اسی سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیکہ لگا کر تشریف فرما تھے کیوں کہ آپ کعبہ ارضی کے بانی ہیں اس لئے آپ کو جزا بھی عمل ہی کی جنس سے دی گئی ہے اور وہ (بیت المعمور) کعبہ کے مقابل ہے۔ ہر آسمان پر (خدا کا) ایک گھر ہے جہاں اس آسمان کے رہنے والے عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور دنیا کے آسمان پر جو خدا کا گھر (یعنی قبلہ) ہے اس کو بیت العزت کہتے ہیں۔

عاصم بن ربیعہ سے مروی ہے کہ ابن کوا نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بیت المعمور کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ آسمان پر ایک مسجد ہے جو "صراخ" کہلاتی ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ پھر کبھی واپس نہیں آتے۔ عوفی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بیت المعمور عرش کے

محاذی ایک گھر ہے جو فرشتوں سے آباد ہے۔ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں اور یہ فرشتے پھر کبھی اس کی طرف واپس نہیں آتے۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد آسمان ہے اور ربیع بن انس رض کہتے ہیں کہ اس سے مراد عرش ہے جو تمام مخلوقات کی چھت ہے۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ربیع بن انس رض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو عرش کے تحت ہے اور جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد یہی سمندر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ یعنی جو لوگ مستحق عذاب ہیں ان پر آخرت میں آپ کے رب کا عذاب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

جبیر رض بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ جس وقت بدر کے قیدی

مدینے میں لائے گئے ہیں تو میں بھی انھیں میں تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مغرب کی نماز ادا فرما رہے تھے جب آپ نے ان عذاب ربك لواقع کی قرأت فرمائی تو میرا دل لرز گیا[1]

مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ — اس عذاب الٰہی کو کوئی طاقت ان کے سر سے ہٹا نہ سکے گی یعنی منکرین کا یہ عذاب اٹل اور دائمی ہے اس کے بعد یوم قیامت کی تشریح فرماتا ہے

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَآءُ مَوْرًا — یعنی وہ دن ایسا ہوگا کہ آسمان لرزنے لگیں گے یعنی جس دن سطوت الٰہی اور قہر خداوندی کے آگے آسمان بھی لرزہ براندام ہو جائیں گے تو انسان ضعیف البنیان کی کیا حقیقت ہے

وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا — اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور اس طرح چلنے لگیں گے جیسے ابر چلتا ہے کشش اتصال وکشش ثقل دونوں باقی نہ رہیں گی جس کے

---

[1] تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۱۸ ۔

سبب سے یہ موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ آسمان کی اس حالت کے بیان سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عموماً انسان قلعہ میں پناہ لیتا ہے اور سب سے مضبوط قلعہ وہ سمجھا جاتا ہے جو پہاڑوں سے محصور ہو خصوصاً عرب ایسی پناہ گاہوں پر فخر کرتے ہیں۔ چنانچہ سموأل عادی بڑے فخر سے کہتا ہے کہ : ؎

لنا جبل یحتله من نجیره منیف یرد الطرف کلیله

یعنی ہمارا ایک پہاڑ ہے ہم جس کسی کو پناہ دیتے ہیں وہ وہیں اترتا ہے۔ وہ پہاڑ اتنا بلند ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ اس کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ تھک کر واپس ہو جاتی ہے۔

جب بروز قیامت پہاڑوں کی یہ حالت ہو گی اور اس عالم کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اس روز ان منکرین کی حالت کے متعلق فرماتا ہے کہ

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	ویل کلمة تقال للهالك واسم وادٍ في جهنم۔ یعنی ویل ایسا

کلمہ ہے جو ہلاک ہونے والے کے لئے کہا جاتا ہے نیز ویل دوزخ کی ایک وادی کا بھی نام ہے یعنی اس روز ان جھٹلانے والوں کی حالت نہایت افسوس ناک ہوگی۔ پھر ان منکرین کا دوسرا وصف بیان فرماتا ہے کہ

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ یہ اپنی بیہودہ گوئی سے کھیلتے ہیں یعنی باطل میں تردد کرتے ہیں اور

اسی میں پڑے ہوئے ہیں نہ تو یہ یوم حساب کو یاد کرتے ہیں نہ عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں خدا نے ان کو عقل و خرد عطا کی تھی تاکہ وہ حق و باطل میں تمیز کریں اور طاعت و معصیت کے نتائج پر غور کریں مگر یہ اس عقل سے غلط کام لیتے اور اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و استہزاء میں غور و فکر کرتے ہیں سوچ سوچ کر قسم قسم کی بیہودہ باتیں کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ منکرین اسباب دنیوی میں غور کرتے اور آخرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ان کی اس بیہودگی سے خدا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ نہیں مگڑتا بلکہ اس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ان کو اس روز معلوم ہوگا جب

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا الدع الدفع بعنف

وجفوۃ یعنی اس روز ان کو سخت دھکے دے کر دوزخ کی آگ میں ڈھکیل دیا جائے گا اور اس بے بسی کے عالم میں دوزخ کے فرشتے ان سے کہیں گے کہ

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ | یہی وہ آگ ہے جس کو تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

اے منکرین خدا اور رسول! دنیا میں تو تمہاری یہ حالت تھی کہ تم خدا کے رسُول کو گستاخی اور دریدہ دہنی سے ساحر کہہ دیا کرتے تھے خدا کا کلام جو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا تو اس کی اعجاز بیانی اور ہدایت ربّانی کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے کی بجائے تم نے اس کو سحر کہہ دیا اسی طرح خدا کی ہر وہ نشانی جو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی جب تمہارے سامنے پیش ہوئی اور تم اس کا معارضہ اور مقابلہ نہ کر سکے تو اس کو جادو اور اس کے پیش کرنے والے کو جادوگر کہہ دیا اب یہ جہنم کی آگ تمہارے سامنے ہے بتاؤ تو

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ | کیا یہ بھی جادو اور محض نظر بندی کا کھیل ہے یا

یہ وہی آگ ہے جس سے تم کو دنیا میں ڈرایا گیا تھا۔ مگر تم برابر اس کا انکار کرتے رہے کیوں اب بتاؤ کیوں نہیں کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا اب

اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ | اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔

تم اس کی تکلیف کو برداشت کر سکو یا نہ کر سکو اس وقت یہاں دونوں یکساں ہیں کیوں کہ یہ سزا تمہارے صبر و تحمل کے لحاظ سے نہیں دی جا رہی ہے بلکہ

اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ | محض تمہارے کرتوت کا بدلہ تم کو دیا جا رہا ہے جو خدا کے

حکم سے تمہارے لئے مقدر کر دیا گیا ہے یہ ظلم نہیں عین انصاف ہے۔ تم سے اللہ نے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا مگر تم کو یقین نہ آیا تم برابر تکذیب و انکار کرتے رہے اب تمہارے کفر و معصیت کا یہ بدلہ حسب وعدہ تم کو مل رہا ہے جو عین معدلت ہے۔

اہل دوزخ یعنی منکرین و مکذبین کے انجام اخروی کو بیان

فرمانے کے بعد اب مومنین و متقین کا انجام اخروی بیان فرماتا ہے
کہ جن بندوں نے اس دنیا میں شرک و معصیت سے پرہیز کیا ان کو
اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے کیسا انعام و اکرام دیا اور کن مراتب
سے سرفراز فرمایا۔ یعنی ترہیب کے بعد ترغیب ہے

52- 17 52- 18 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ۙ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ
52- 19 وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓئًا
52-20 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ مُتَّكِـِٕينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۚ
52-21 وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ
ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ
52-22 مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝ وَأَمْدَدْنٰهُمْ
52- 23 بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا
52-24 لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ۝ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ
52- 25 كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
52-26 يَّتَسَآءَلُونَ ۝ قَالُوٓا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۝
52-27 52-28 فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُومِ ۝ إِنَّا كُنَّا

مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ

بے شبہ پرہیزگار باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ اپنے پروردگار
کے دیئے ہوئے میوے کھاتے رہیں گے ان کا رب ان کو دوزخ کے
عذاب سے بچالے گا (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنے (نیک)
عمل کے بدلے (اب) مزے سے کھاؤ پیو۔ وہ ایک دوسرے کے
برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیوں سے (ٹیکہ) لگائے ہوئے بیٹھے
ہوں گے اور ہم ان کا بیاہ گوری اور بڑی آنکھوں والی عورتوں سے
کردیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان
کے ساتھ ان کی پیروی کی (تو) ہم ان کی اولاد کو (بھی) ان کے
پاس پہونچادیں گے اور ان کے عمل کی جزا سے کچھ نہ گھٹائیں گے
ہر شخص اپنے عمل کا رہین (یعنی گرو) ہے اور ہم ان کو ان کی حسب
خواہش پے درپے میوے اور گوشت دیتے رہیں گے۔ اور اس
(جنت) میں (ایسی پاک شراب ہے جس سے) بھرے ہوئے
پیالوں کے لیئے وہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے جن
(پیالوں) میں نہ تو بے ہودہ گوئی ہے نہ گناہ ہے۔ اور ان کی

خدمت کے لئے ایسے (خوب صورت) لڑکے ان کے پاس چلتے پھرتے ہوں گے
(کہ ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوگا) گویا وہ پوشیدہ موتی ہیں (اور اہل
جنت) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے (اور وہ) کہیں گے
کہ پہلے ہم کو اپنے اہل (یعنی خاندان کے بارے) میں ڈر تھا مگر
اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو گرم ہوا (لُو) کے عذاب سے
بچا لیا۔ بے شک ہم اس کی دعا کرتے تھے بے شک وہ (خدا)
محسن اور مہربان ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ اس کی تفسیر میں حافظ ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے فرائض کو ادا کیا اور گناہوں سے پرہیز کیا وہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ یہ آخرت کا بیان ہے۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ فاکہین سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس خدا کے دیئے ہوئے میوے بکثرت ہوں گے کیوں کہ عرب کے محاورہ میں جس کے پاس بہت

کھجور ہوں اس کو تامر اور جس کے پاس بہت سا دودھ ہو اس کو لابن کہتے ہیں۔

وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ان پرہیزگاروں کو پروردگار عذاب دوزخ سے

بچالے گا کیوں کہ دنیا میں ان کے نیک نیت اور طالب حق ہونے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ان کو نفس وشیطان کے پنجے سے چھڑایا کفر و معصیت سے بچایا اور ایمان و عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی جن سے ان میں نعمات جنت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی اور اسی صلاحیت کے لحاظ سے آج ان پر فیضان الٰہی ہو رہا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی ان پرہیزگاروں سے جنت میں کہا

جائے گا کہ اے لوگو تمہارے پروردگار نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اسے خوب مزے سے کھاؤ اور خدا کی دی ہوئی پاک شراب پیو۔ اس میں کوئی گندگی وغیرہ نہیں ہے جیسے دنیا کے ماکولات و مشروبات میں ہوتی تھی۔ اور یہ نعمتیں تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہیں جو تم دنیا میں

کرتے تھے۔ اس کے بعد مزید نعمتوں کا بیان ہے کہ

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ یعنی جنت میں تخت کے برابر تخت بچھے ہوئے ہوں گے اور

اہل جنت ان تختوں پر تکیہ سے ٹیکہ دئے ہوئے بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوں گے۔ پھر اس کے بعد اتمام مسرت اور تکمیل عیش کے لئے فرماتا ہے کہ

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ اور اہل جنت کا نکاح حوران جنت یعنی نہایت خوب صورت بہت

گوری اور بڑی آنکھوں والی عورتوں سے کر دیں گے۔

خطیب شربینی لکھتے ہیں کہ اہل جنت کے اسباب تنعم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔ پہلے ان کا مسکن یعنی جنتوں کا بیان ہے۔ پھر ان کے اکل وشرب کا ذکر ہے۔ پھر فرش وبسط کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان کے ازواج کا بیان ہے۔ ان میں سے ہر ایک امر اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے "فاکھین" فرمایا جس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کا عیش کبھی مکدر نہ ہوگا

اور اس سے مرتبے کی بلندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ عطیۂ خداوندی ہوگا۔ "کلوا واشربوا هنیئاً" فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا انجام ہر طرح اطمینان بخش ہے۔ یہ ماکولات سوءِ ہضمی اور فضلہ وغیرہ کی گندگی سے پاک ہوں گے یعنی جنت میں اہل جنت کو جو ماکولات و مشروبات ملیں گے وہ اس دنیا کے ماکولات و مشروبات سے صرف اشتراک اسمی رکھتے ہیں ان کی حقیقت دنیوی ماکولات و مشروبات سے بالکلیہ الگ ہوگی۔ "کلوا واشربوا" کی تفصیل نہیں بیان فرمائی یہ اجمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گوناگوں اور کثرت سے ہوں گے اور ان نعمتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ "بما کنتم تعملون" یہ اشارہ ہے کہ میں تمہارا رب اور خالق ہونے کے اور اپنے فضل و کرم سے تم کو جنت میں داخل کرنے کے باوجود بھی تم پر میرا کوئی احسان آج نہیں ہے بلکہ میرا احسان تم پر دنیا میں تھا کہ میں نے تمہیں ہدایت کی اور تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بل اللّٰہ یمنّ علیکم ان ھدٰکم للایمان۔ لہٰذا آج تم پر کوئی احسان نہیں ہے کیوں کہ

یہ تو وعدے کا پورا کرنا ہے۔

انسانی فطرت ہے کہ جب اس کو عیش و خوش حالی میسر ہوتی ہے تو وہ اپنے اہل و عیال اور ان سب لوگوں کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے جو اس کو عزیز اور دل سے پیارے ہیں ان کے بغیر سارا مزہ تلخ اور تمام عیش بے لطف معلوم ہوتا ہے۔ اس مالکِ حقیقی اور ارحم الراحمین کو مومنین کی اتنی ناگواری بھی گوارا نہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ	اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی

پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے پاس پہنچا دیں گے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اولاد پر ان کے آباء کے عمل کی برکت سے ہوگا۔ یعنی بزرگوں کے عمل کی برکت کا ثمرہ اولاد کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ مگر خیال رہے کہ اولاد کی دعا کی برکت سے ان کے آباء یعنی بزرگوں پر بھی فضل ہوا کرتا ہے جس کے متعلق ہمارے

امام سیدنا احمد بن حنبلؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نیک بندی کا جنت میں درجہ بلند فرمائے گا تو وہ بندہ کہے گا کہ پروردگار یہ درجہ مجھے کیسے مل گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارے لڑکے نے تمہاری مغفرت طلب کی اور اس کی بدولت تمہیں یہ درجہ عطا کیا گیا۔ اس کی تائید صحیح مسلم شریف کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية۔ أو علم ينتفع به۔ أو ولد صالح يدعو له یعنی آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ جیسے مسجد۔ سرائے یا علوم دینیہ کا مدرسہ وغیرہ۔ دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع حاصل ہو۔ تیسرے نیک لڑکا جو اس کے لئے خدا سے دعا کرے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مومن کی ذریت کو بھی بلند مرتبہ عطا فرما کر اس مومن کے درجے میں پہنچا دے گا اگرچہ اس ذریت کے عمل اپنے بزرگوں سے

کمتر ہوں تاکہ ان کے سبب سے اس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں
حافظ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مومن کی ذریت کو بھی
اگرچہ ان کے عمل کمتر ہوں جنت میں اس مومن کے ساتھ اسی کے درجے
میں رکھے گا تاکہ اس کے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو اور
بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے بچوں کو اللہ تعالیٰ ان تک
پہنچا دے گا اور ان کے آباء کے ثواب کو کم نہ کرے گا۔[۱]

مذکورۂ بالا روایات اور اقوالِ مفسرین کا ماحصل یہی ہے کہ
جنت میں مومنین کی ذریات بھی بالا لحاظ عمل انہیں کے ساتھ ہوگی
بشرطیکہ وہ خود بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہوں۔ اب ذریت کے
لفظی معنی اور اس کے مفہوم کا تعین ضروری ہے کہ اس میں کون کون
شامل ہیں۔

ذریت کے معنی اور اس کے اقسام

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ الذریۃ اصلھا

---

[۱] تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۱۵۔

الصغار من الاولاد وان کان قد یقع علی الصغار والکبار معاً یعنی ذریت اگرچہ اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں مگر کبھی چھوٹے بڑے سب پر اس کا اطلاق ایک ساتھ ہوتا ہے۔ خطیب اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہاں ذریت کا مفہوم آباء وابناء دونوں پر صادق آتا ہے۔ اور جب کسی مومن کا عمل زیادہ ہو تو اس سے کم عمل والے مومن کو بھی اسی درجے میں پہنچا دیا جائے گا خواہ وہ بیٹا ہو یا باپ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا یہی مطلب ہے۔

علامہ خطیب نے ذریت کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ۱ ذریت نسب ۲ ذریت سبب یعنی محبت۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ کوئی علم یا کوئی عمل بھی حاصل کر لے تو یہ ذریت کہلانے کا زیادہ مستحق ہے اور اس کو ۳ ذریت افادہ کہیں گے اور یہ ذریت محبت ایسی ہے جیسے ذریت ولادت ہوتی ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المرء مع من احبہ الحدیث

فقیر کہتا ہے کہ علم یا عمل حاصل کرنے کی بنا پر جس طرح شاگرد استاد کے ساتھ ذریت میں داخل ہیں اسی طرح اہل بیعت وسلاسل

اپنے شیوخ طریقت کی ذریت میں داخل ہیں کیوں کہ یہ بھی اپنے شیوخ سے معرفت وتزکیہ نفس کے عمل کا استفادہ کرتے ہیں۔ اور شجرہائے طریقت پڑھنے کا طریقہ جو سلف صالحین سے چلا آرہا ہے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اپنے شیوخ طریقت کی یاد اور ان کی محبت کو تازہ کیا جائے جن کی معیت کا شرف اس عالم آخرت میں نصیب ہوگا جن کی خاطر سے اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت میں انہیں ان مدارج پر ترقی دے گا۔ جو لوگ توسل کو ناجائز قرار دیتے یا شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ اس آیت اور ان روایات کو غور سے پڑھیں۔

جو لوگ خدا کے فضل وکرم پر نظر نہیں رکھتے بلکہ اپنے عمل ہی پر مدارج اخروی کو منحصر سمجھتے اور لیس للانسان الا ما سعیٰ کی رکیک تاویلیں کیا کرتے ہیں ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے فرماتا ہے

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ | یعنی ذریت کو اس درجے پر جو ترقی دی جائے گی وہ

کوئی مول تول نہیں ہے کہ ان کے بزرگوں کے عمل کو کم کر کے ان کی

ذریت کو ترقی دی گئی اور بزرگوں کے عمل سے کچھ کاٹ کسر یا کمی کر دی گئی ایسا نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دنیا میں ان کو ایمان و عمل کی توفیق بخشی اور آخرت میں ان کو قبولیت کا شرف عطا فرمایا اور ان کو جنت کے مدارج عالیہ سے سرفراز فرمایا۔ ان کی مسرت کی تکمیل کے لئے ان کے عزیزوں اور ان کے پیاروں کو بھی ان کے پاس پہنچا دیا یہ سب جو کچھ ہوا محض فضل کی بنا پر ہوا۔ اب عدل کو بیان فرماتا ہے:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ

ہر شخص اپنے عمل کا پابند ہے۔ اس سے ایک غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے کہ جس طرح ایک شخص کے نیک عمل کا اثر دوسرے پر پڑتا تھا اسی طرح ایک کی برائی کا اثر بھی دوسرے پر پڑنے کا احتمال ہے تو اس شبہ کے دور کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ جس کی برائی اس کے ساتھ۔ اگر اس برائی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی حصہ نہیں لیا تو وہ ہر طرح اس کی برائی سے بری الذمہ ہے۔ اوپر مقام فضل کا بیان تھا اور یہ مقام عدل کا بیان ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ "رھین" یہاں فعیل ہے بمعنی فاعل جس کا
مطلب یہ ہوا کہ "کل امری راھن ای دائم" یعنی اگر کسی نے نیکی
کی ہے تو وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور اگر برائی کی ہے تو ہمیشہ
آگ میں رہے گا اس لئے کہ دنیا میں اعمال کا دوام اعیان کے
دوام کے ساتھ ہے کیوں کہ عرض بغیر جوہر کے باقی نہیں رہ سکتا اور
جوہر ہی میں پایا جاتا ہے اور آخرت میں دوام اعیان دوام اعمال
کے سبب سے ہے لہذا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو باقی رکھے گا کیوں کہ
یہ عمل اللہ کے پاس باقیات الصالحات کے منجملہ ہیں۔ وما
عند الله باقٍ والباقی یبقیٰ مع محله۔ جو اللہ کے پاس ہے
وہ باقی ہے یعنی غیر فانی ہے اور باقی اپنے محل کے ساتھ باقی رہتا
ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اعیان دنیا جوہر اور عمل عرض ہے جو
اس دنیا کے ساتھ قائم ہے اس لئے ہر ذی شعور زندگی بھر مکلف
بہ عمل ہے۔ بخلاف آخرت کے۔ اور وہ عالم عمل کے ساتھ قائم
ہے یعنی وہاں عمل جوہر اور عالم عرض ہے اور عمل چوں کہ ہمیشہ
باقی رہے گا اس لئے وہ عالم بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔

فقیر کے خیال ناقص میں اس دنیا کی ناپائداری اور عالم آخرت کے ابدی ہونے کا سبب یہ ہے کہ حیات دنیوی کا اصلی مقصد عمل ہے جیسے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ اور چوں کہ انسان کی صلاحیتیں محدود اور ظرف عمل یعنی زمان و مکان چونکہ محدود ہیں اس لئے یہ دنیا بھی ناپائدار ہے اور عالم آخرت چوں کہ جزائے عمل کے لئے ہے اور جزا کا تعلق خدا کی ذات سے ہے جو لم یزل اور لا یزال ہے اس لئے عالم آخرت بھی غیر منقطع اور لازوال ہے اس لئے اہل جنت کی نعمتیں بھی غیر منقطع ہوں گی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ	ہم ان کو پے در پے میوے دیتے رہیں گے

میووں کو خاص طور پر اس لئے بیان فرمایا کہ یہ اس دنیا کی مشہور نعمت ہے اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ فرماتا ہے :

وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ	اور ہم ان کو ان کے حسب خواہش گوشت بھی دیں گے ۔

اوپر کے بیان سے عمل کی اہمیت ظاہر ہو چکی اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ عموماً محرکات عمل کیا ہوا کرتے ہیں۔ اگر انسانی افعال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اکثر کام یا تو حصول لذت کے لئے ہوتے ہیں یا دفع الم کے لئے۔ لذت کے معنی "ادراک الملائم من حیث انہ ملائم" اور الم کے معنی ہیں "ادراک المنافر من حیث انہ منافر" اور لذت والم کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) لذتِ حسی جیسے مٹھائی۔ میوہ وغیرہ سے حسّ ذائقہ کو اور کسی خوب صورت چیز کو دیکھنے سے حس باصرہ کو اور اچھی آواز سننے سے حس سامعہ کو یا کسی پُرلطف واقعہ یا کسی دوست کی یاد سے حسّ واہمہ کو لذت حاصل ہوتی ہے اور ان کی ضد الم حسی ہے

(۲) لذت عقلی۔ جیسے کسی علمی مسئلہ کے حل سے ایک عالم کو یا شطرنج کی بازی سے کسی شاطر کو یا شہرت و ناموری حاصل کرنے کی دھن میں بعض لوگ بڑی بڑی سختیاں جھیلتے اور تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ یہ اور اسی قبیل کی چیزیں لذات عقلی کہلاتی ہیں۔ اور ان کی ضد آلام عقلی ہیں۔

(۳) لذت روحانی جس کا اثر خاص روح پر بلا واسطہ پڑتا ہے۔ اور اس کی ضد الم روحانی ہے۔

لذت و الم کی یہی تین قسمیں ہیں جو عموماً محرکاتِ عمل ہوتی ہیں اسی لحاظ سے نعماتِ جنت کی بھی تین قسمیں ہیں کیوں کہ اہل جنت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ ان میں سے جو جس لذت کو طلب کرے گا خواہ وہ حسی ہو یا عقلی ہو یا روحانی' اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا کیوں کہ جس خدا نے اس دنیا میں ان چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ آخرت میں بھی ان کو پیدا کردے گا۔ اس لحاظ سے یہ فرمایا کہ ان کی حسب خواہش گوشت بھی ان کو دیں گے۔ کیوں کہ اوپر سے انہیں لذات حسی کا بیان چلا آرہا ہے مگر یہاں ان کو بیان کردینے سے لذات عقلی اور لذات روحانی کی نفی نہیں ہوجاتی۔ اور یہ لذاتِ حسی بھی دنیوی لذات کے لحاظ سے صرف لفظی اشتراک رکھتی ہیں معنی اور حقیقت کے اعتبار سے بالکل الگ اور جدا ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ تو اسی وقت ہوگا جب اللہ اپنے فضل و کرم سے ان سے بہرہ ور فرمائے۔

ایک ایسا دیہاتی فرض کیجیے جس نے سوا گڑ کے اور کوئی میٹھی چیز ہی

نہیں کھائی تو وہ برفی اور قلاقند کی لذت کیا جانے۔ آپ محض الفاظ اور بیان سے ان دونوں چیزوں کا ذائقہ کس طرح اس کو سمجھا سکیں گے جب اس دنیا کی یہ ادنیٰ ترین چیزیں بغیر چکھے سمجھ میں نہیں آسکتیں تو اُس عالم کی نعمتوں کا صحیح اندازہ آپ کس طرح کریں گے اسی سبب سے شارع علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے ان کو سُنا اور نہ کسی کے دل ہی پر اس کا خطرہ گذرا۔ دینے والے کی قدرت لامحدود ہے "وما کان عطاء ربك محظورا" لینے والے کے حوصلے اور طلب کے لحاظ سے نعمتیں بھی سرفراز ہوں گی۔

نعمات جنت کے اجمالی ذکر کے بعد اہل جنت کی حالت بیان فرماتا ہے کہ

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ	یعنی اہل جنت کے سامنے جب شراب طہور کے بھرے ہوئے جام پیش ہوں گے تو وہ ان کے

لینے کے لئے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے۔ ان کی یہ کش مکش نفسانیت یا خود غرضی کی نہ ہوگی بلکہ ایسی خوش مزاجی کے طور پر ہوگی

جیسے عقد خوانی کی محفل میں مصری بادام پھینکے جاتے ہیں تو مہذب لوگ بھی ان کے حاصل کرنے کے لئے آپس میں چھینا جھپٹی کرتے ہیں خیال رہے کہ اس شراب جنت کے دو وصف خاص بیان فرمائے ہیں کہ اس کو پی کر کوئی نہ بیہودہ بکواس کرے گا اور نہ پینے والے سے گناہ سرزد ہوں گے۔ یعنی اس کے اثر سے نہ عقل زائل ہوگی نہ اس میں گندگی ہوگی اور نہ بدبو ہوگی۔ بلکہ اس کا اثر صرف نشاط روح ہوگا۔

اس کے بعد اہل جنت کے خدم و حشم کو بیان فرماتا ہے۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ

جنتیوں کی خدمت کے لئے خوب صورت لڑکے چلتے پھرتے ہوں گے جن کے حسن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوگا گویا وہ "درِ مکنون" یعنی صدف کے اندر کے چھپے ہوئے موتی ہیں۔

قتادہ[1] رضی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "یا رسول اللہ ھذا الخادم فکیف المخدوم قال والذی نفس محمد بیدہ ان فضل المخدوم

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ ص ۱۸

علی الخادم کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب"
یعنی یا رسول اللہ جب خادم ایسا ہے تو مخدوم کیسا ہوگا؟ حضور اکرم نے
فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں **محمد** کی جان
ہے مخدوم کی فضیلت خادم پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے
چاند کی باقی اور کواکب پر۔

اہل جنت کی شان و شوکت اور خوش حالی۔ عیش و مسرت
کے بیان فرمانے کے بعد ان کی مجلسی حالت اور باہمی گفتگو کا بیان
ہے کہ

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ حافظ ابن کثیر اس کی
تفسیر میں لکھتے ہیں" ای اقبلوا یتحادثون ویتساءلون
عن اعمالھم واحوالھم فی الدنیا وھذا کما یتحدث
اھل الشراب علی شرابھم اذا اخذ فیھم الشراب
بما کان من امرھم" اور قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ "یتساءلون

بعضھم بعضاً عن احوالہ واعمالہ" یعنی اہل جنت کے آگے جب شراب طہور کے جام پیش ہوں گے تو وہ اثناء دور میں ایک دوسرے سے ان کے دنیوی حالات و اعمال کی نسبت دریافت کریں گے۔ اس کے جواب میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ

قَالُوٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "ای کنا فی الدار الدنیا ونحن بین اھلنا خائفین من ربنا ومشفقین من عذابہ وعقابہ فمن اللہ علینا ووقنا عذاب السموم فتصدق علینا واجارنا مما نخاف۔ انا کنا من قبل ندعوہ ای نتضرع الیہ فاستجاب لنا واعطانا سوالنا انہ ھو البر الرحیم"۔

حاصل یہ کہ ہم دنیا میں اپنے اہل وعیال کے درمیان خدا کے عذاب و عقاب سے ڈرتے تھے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچایا۔ ہم جس چیز سے ڈر رہے تھے خدا نے ہمیں اس سے پناہ دی۔ ہم پہلے بھی خدا سے دعائیں کرتے اور اس کے آگے گریہ زاری کرتے اور گڑگڑاتے تھے۔ اللہ نے ہماری دعا قبول کر لی اور

ہماری منہ مانگی مراد ہم کو دی وہ بڑا محسن اور بڑا مہربان ہے۔

بیضاوی لکھتے ہیں کہ "خائفین من عصیان اللہ ومشفقین لطاعتہ او وجلین من العاقبۃ (فمن اللہ علینا) بالرحمۃ والتوفیق (ووقنا عذاب السموم عذاب النار النافذۃ فی المسام نفوذ السموم (انا کنا من قبل) ذلک فی الدنیا۔

اگرچہ یہاں حافظ ابن کثیر اور قاضی بیضاوی صرف دو مفسرین کی عبارتیں منقول ہیں مگر اس سلسلہ میں میری محدود نظر سے جتنی بھی تفاسیر گذریں سب کا اسی پر اتفاق ہے کہ یہ باہمی سوال و جواب اعمال دنیوی کی نسبت ہوگا یعنی ایک دوسرے سے یہ پوچھیں گے کہ تم کو یہ مرتبہ کس طرح ملا تو جواب میں ہر ایک جنتی دوسرے سے یہی کہے گا کہ میں جب دنیا میں تھا تو اپنے اہل و عیال یعنی بال بچوں میں بیٹھے ہوئے خدا کے عذاب سے ڈرا کرتا تھا جس کی بدولت آج خدائے تعالیٰ نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور یہ اس کا کرم اور احسان ہے۔ مگر اس آیت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے کیا سوال کریں گے البتہ جواب کی صراحت ہے کہ

انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین۔ یقیناً خدا کا خوف اساس تقویٰ ہے
مگر اس کے ساتھ "فی اھلنا مشفقین" کی قید و تخصیص کیا معنی رکھتی
ہے۔ مذکورہ بالا تفسیر سے اس کی تشفی پوری طرح نہیں ہوتی۔

فقیر کے خیال ناقص میں یہ دونوں آیتیں بالکلیہ اوپر کی آیتوں
سے متعلق ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل جنت جب جنت میں
پہنچ جائیں گے اور وہاں اپنے اہل و عیال کو نہ دیکھیں گے تو ان کو
تشویش ہوگی تو خدائے تعالیٰ ان کی خاطر سے ان کے اہل و عیال کو بھی
ان تک پہنچاوے گا اور جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے تو ان نووارد
جنتیوں کے متعلق وہ جنتی جو پہلے سے وہاں موجود ہوں گے ایک دوسرے
سے سوال کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں جو یکایک آگئے۔ اس کے جواب
میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ یہ ہمارے اہل و عیال اور یہ ہمارے
پیارے ہیں۔ ہم نے ان کو یہاں نہ دیکھا تو تشویش ہوئی کہ مبادا یہ
کسی عذاب میں نہ مبتلا ہوگئے ہوں تو خدا نے ہماری خاطر سے ان کو ہم تک
پہنچا دیا اور ہم سب پر بڑا احسان فرمایا وہ بڑا محسن اور بڑا مہربان ہے
واللہ اعلم بالصواب۔

هذا ما ظهر لی ان کان صحیحاً فنحمدہ ونشکرہ وان کان من تلقاء نفسی فنعوذ به ونستغفرہ ۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ خدا نے ہم سب پر احسان کیا کہ اس دنیا میں بھی ہم کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائی اور اس عالم میں بھی اپنی رحمت اور فضل و کرم سے ہم کو اور ہماری خاطر ہمارے اہل و عیال اور ہماری ذریت کو بھی ان مدارج اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا "عذاب السموم" کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ "عذاب النار النافذۃ فی المسام نفوذ السموم" یعنی اس سے مراد آگ کا وہ عذاب ہے جو گرم ہوا کی طرح جسم کے مسامات کے اندر تک نافذ ہو جائے گا ۔ اللّٰھمّ احفظنا منه ۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ یعنی ہم دنیا میں اسی کی دعائیں مانگا کرتے تھے آج خدا کے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کی قبولیت ہمارے سامنے ہے ۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں وعدہ فرمایا تھا کہ ادعونی استجب لکم آج ان

یہ وعدہ پورا ہوا اور ہم کو ہماری منہ مانگی مرادیں ملیں ۔

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ	بے شک وہ محسن اور بڑا مہربان ہے ۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ 52- 29
اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا 52- 30
فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَا 52- 31
اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ 52-32
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ؕ اَمْ خُلِقُوْا 52-33
مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ؕ 52-34
52- 35

بس آپ (اے محمدؐ) نصیحت کیجے بس آپ (اے محمدؐ) اپنے پروردگار
کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانے ۔ کیا وہ (کافر آپ کے متعلق)
کہتے ہیں کہ (محمدؐ) شاعر ہے ۔ ہم ان کے حق میں حوادث زمانہ کا انتظار
کرتے ہیں (اے رسول) آپ (بھی) ان سے کہہ دیجے کہ تم (بھی)
انتظار کرو ۔ اور میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے
ہوں ۔ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی حکم دیتی ہیں یا یہ سرکش لوگ ہیں

کیا وہ (کافر) یہ کہتے ہیں کہ (قرآن) ان کی بنائی ہوئی بات ہے بلکہ وہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے (آپ ان سے کہہ دیجے کہ) اگر وہ سچے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ (بھی) اس کے جیسی ایک بات بنا لائیں کیا یہ (منکرین) بغیر کسی چیز (یعنی پیدا کرنے والے) کے (از خود) پیدا ہو گئے ہیں۔ یا یہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں۔

کفار قریش کی چار گستاخیاں

کفار قریش عموماً آپ کی شان میں گستاخی سے اکثر یہی چار باتیں کہا کرتے تھے :-

(۱) آپ کاہن ہیں

(۲) آپ دیوانہ ہیں

(۳) آپ شاعر ہیں

(۴) آپ ساحر ہیں (معاذ اللہ)

ان الفاظ کی خصوصیت فقیر کے خیال میں یہ ہے کہ۔

پہلی گستاخی کی حقیقت

منکرین جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے

قرآن حکیم کو سننے جس میں گذری ہوئی امتوں کے واقعاتِ عبرت خیز اور غیب کی خبروں کا بیان ہے تو آپ کو کاہن کہتے کیوں کہ کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو گذری ہوئی خبریں بیان کرے جیسے عرّاف اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ واقعات کو بیان کرے۔ چنانچہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ الکاھن الذی یخبر بالاخبار الماضیہ بضرب من الظن کالعرّاف الذی یخبر بالاخبار المستقبلۃ علی نحو ذلك ولکون ھاتین الصناعتین مبنیتین علی الظن الذی یخطی ویصیب[1] قال علیہ السلام من اتی عرافاً او کاھناً فصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علی ابی القاسم یعنی کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک خاص قسم کے گمان سے گذری ہوئی باتوں کی خبر دیتا ہے جیسے عرّاف اس شخص کو کہتے ہیں جو اسی طرح آئندہ کی خبریں دیتا ہے چوں کہ ان دونوں صنعتوں کا دارومدار محض گمان پر ہوتا ہے جو کبھی غلط اور کبھی درست ہوتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عرّاف یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے وحی خداوندی کا انکار کیا جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے

[1] (الکاھن) ھو الذی یخبر من الکوائن فی مستقبل الزمان ویدعی معرفۃ الاسرار ومطالعۃ علم الغیب (تعریفات سید)

رسول ابوالقاسم (محمدؐ) پر نازل فرمائی ہے۔

دُوسری گُستاخی کی حقیقت

منکرین قریش آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ دیوانہ کہتے تو اس کی وجہ نہ تھی کہ ان کو معاذ اللہ آپ کے اقوال یا افعال میں کسی قسم کی بے ربطی و بدنظمی دکھائی دیتی تھی بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ دنیا و مافیہا کو کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے ہر وقت فکر عقبیٰ کی طرف متوجہ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی طرف توجہ دلاتے تھے اور یہی چیز منکرین کی سمجھ سے باہر تھی ورنہ بعثت سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں نہایت ہر دل عزیز تھے مگر آپ کی بعثت اور دعوت نبوت کے بعد جن لوگوں نے آپ کی سب سے پہلے دعوت قبول کی۔ راہ حق پر چلے اور آپ کے فیض صحبت یا زیارت سے مشرف ہوئے وہ صحابۂ کرام رضؓ کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی اور ضد و عناد سے حق کا انکار کیا وہ کفار قریش ہیں۔ اور بناء مخالفت یہی دعویٰ نبوت ہے۔ آپ کو اس تبلیغ حق سے باز رکھنے کے لئے کفار قریش قسم قسم کی تدبیریں کرتے تھے۔

کبھی دھمکیوں سے کام لیتے جب ان سے کام نہ چلتا تو آپ کو دعویٰ نبوت سے باز رکھنے کے لئے قسم قسم کی ترغیبیں دیتے مگر جب یہ دیکھتے کہ نہ تو آپ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ دنیوی شان و شوکت کی ہی پرواہ کرتے ہیں نہ مال و دولت کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ جاہ و منصب کی آپ کے پاس کوئی قدر و قیمت ہے تو وہ آپ کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کیوں کہ ان کے خیال خام میں یہ چیزیں اتنی اہم تھیں کہ کوئی سمجھدار اور صاحب عقل و دانش ان کو رد نہیں کرسکتا۔

تیسری گستاخی کی حقیقت

منکرین قریش جب قرآن حکیم کی کمال فصاحت و بلاغت کو دیکھتے اور اہل زبان ہونے کی وجہ سے اس کی اعجاز بیانی کا انکار نہ کرسکتے اور اس کی مماثلت سے اپنے فصحاء و بلغاء کو عاجز پاتے تو آپ کو "شاعر" کہتے تھے کیوں کہ ان کی خام خیالی اس سے آگے کسی مرتبہ کا ادراک نہ کرسکتی تھی۔

چوتھی گستاخی کی حقیقت

جب صحابہ کرامؓ کی وارفتگی اور خدا و رسولؐ کی والہانہ

محبت اور جوش ایمان پر نظر کرتے تو ان کو خیال ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جادو کر دیا ہے اور ان لوگوں کی یہ وارفتگی اسی سحر کا اثر ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ کے معجزات اور تصرف فی الکائنات کو دیکھتے تو اس کو بھی جادو ہی سے تعبیر کرتے۔ حاصل یہ کہ ان کوتاہ اندیشوں کو خدا کی قدرت کا یقین نہ آتا تو ان سب کو وہ سحر اور جادو کہہ کر وہ اپنے ضمیر کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کریم کی طرف سے ان کی ان گستاخیوں کا جواب دیتا ہے کہ

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۚ

آپ نصیحت کیجیے بس آپ اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانہ۔ اس کی

تفسیر میں شیخ اسمٰعیل حقیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی طرف سے نیابتہً کفار کی تردید فرماتا ہے کیوں کہ آپ کو تذکیر کا حکم دیا گیا ہے جس کا تعلق وحی سے ہے جس کا اقتضاء کمال عقل و کمال صداقت ہے

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانہ[1]۔ انتہی کیوں کہ
بہ لحاظ مخاطب نبیؐ کے فرایض اصولاً دو ہیں۔ منکرین کو دعوت و تبلیغ
اور مومنین کو تذکیر و تعلیم۔ اگر منکرین سرکشی سے پیغام حق کو قبول نہیں
کرتے تو دعوت کے بعد نبیؐ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اب آپ
مومنین و متبعین کی طرف توجہ فرمائیے اور ان کو پند و موعظت
فرمائیے۔ اور مدارج روحانی کی ترقی کی تعلیم دیجیے۔

اس کے ساتھ اپنے حبیبؐ پاک کو تسلی دیتا اور خود رب العزت
ان کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے فضل و کرم سے
آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کے سر پر ختم نبوت کا
تاج رکھا۔ اور سیادت مرسلین کی عزت بخشی۔ اپنی رحمت کاملہ سے
اتنی بڑی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اگر یہ سرکش اس کو نہیں جانتے تو
یہ ان کی کج فہمی اور بدنصیبی ہے۔ بس آپ کا کام نصیحت کرنا اور ہدایت
کرنا ہے۔ اس کے بعد ان کی تیسری گستاخی کے جواب میں کمال بلاغت
سے بطور استفہام فرماتا ہے کہ

[1] تفسیر روح البیان۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ	کیا وہ کافر آپ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ شاعر ہیں ہم ان کے حق میں حوادث زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔

اس آیت کی شان نزول میں حافظ ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ

شان نزول مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش نے دارالشوریٰ میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باہم مشورہ کیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ان کو باندھ کر قید کر دو اور حوادث زمانہ کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک ہو جائیں جیسے ان سے پہلے شعراء زہیر۔ نابغہ وغیرہ ہلاک ہو چکے ہیں یہ بھی انہیں کے جیسے ایک شاعر ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1]۔ یعنی ان منکرین کی دریدہ دہنی کیا اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ آپ کو شاعر کہتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری شاعروں کی طرح آپ بھی ایک روز ہلاک ہو جائیں گے اور اسی کے

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۱۹ -

ساتھ یہ پیغام حق بھی محض ایک افسانہ اور روایت ہو کر رہ جائے گا اس کو اور آئندہ باتوں کو استفہامی انداز میں بیان فرمانے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جملۂ خبریہ سے جملۂ انشائیہ زیادہ موثر ہوتا ہے کیوں کہ جس کے ضمیر میں کچھ بھی جان ہو اگر وہ ان امور پر غور کرے تو ان باتوں کی حقیقت اس کے آگے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ واللہ واعلم وعلمہ اتم۔

ان کی اس خام خیالی کے جواب میں اپنے حبیبؐ پاک سے فرماتا ہے کہ

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ	آپ بھی ان سے کہہ دیجئے کہ

اچھی بات ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ آیا یہ کلام الٰہی جو مجھ پر نازل ہو رہا ہے محض ایک شعر اور یہ قرآن حکیم محض ایک روایت تفریحی اور یہ دین حق محض ایک قصۂ ماضی ہو کر رہ جاتا ہے یا باطل نیست و نابود۔ اور حق چار دانگ عالم میں پھولتا پھلتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی اپنے نبیؐ کی

ہلاکت کا متوقع نہیں ہوا مگر خود ہلاک ہو گیا۔

آج یعنی ۱۳۷۲ھ کا زمانہ آپ کے سامنے ہے دیکھئے اس قرآن حکیم کے کروڑوں ماننے والے سارے عالم میں موجود ہیں جن کی مسجدوں اور گھروں سے اسی قرآن حکیم کی آواز گونجتی ہے اور منکرین قریش مٹ گئے ان کے انتظار کا زمانہ بھی گذر گیا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس کے بعد کمال بلاغت سے دریافت فرماتا ہے کہ

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ	کیا ان کی عقلیں ان کو یہی حکم دیتی ہیں۔ یا یہ سرکش لوگ ہیں دینِ حق ان کے

سامنے آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور آپؐ کی پاک سیرت ان کے سامنے موجود ہے مگر وہ اس کو قبول نہیں کرتے تو اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں یا محض سرکشی اور عناد کی وجہ سے وہ ایسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ کوئی چیز یا تو سمع سے ثابت ہوتی ہے یا یا عقل سے ثابت ہوتی ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کا

مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کے پاس ایسا کوئی امر سمعی وارد ہوا ہے
یا ان کی عقلیں ماری گئیں ہیں جو ان کو ایسا حکم دیتی ہیں یا یہ سرکش
لوگ ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں اور طغیان کے معنی نافرمانی میں
حد سے گزر جانے کے ہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیبؐ پاک سے دریافت فرماتا ہے کہ

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُوْنَ | کیا وہ کافر یہ کہتے ہیں کہ قرآن ان کی یعنی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ایک بات ہے۔ تعجب ہے کہ
باوجود اہل زبان ہونے کے وہ ایسی مہمل بات کہتے ہیں کہ یہ خدا کا
کلام نہیں ہے بلکہ آپ کی بنائی ہوئی بات ہے۔ اور اگر وہ اس پر
ایمان نہیں لاتے تو آپ بھی ان کو دعوت مقابلہ دے دیجئے کہ

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۗ | یعنی منکرین اگر اپنے اس دعویٰ میں

سچے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں وہ بھی ایسا ہی کلام
پیش کریں یعنی ہمارے حبیب و رسول سے ہمارا کلام سن کر اس کی

فصاحت و بلاغت و اعجاز بیانی کا انکار نہیں کر سکتے تو تم یہ کہہ دیتے ہو کہ محمدؐ شاعر یا کاہن ہیں اور یہ کتاب وحی الٰہی نہیں بلکہ ان کی تصنیف ہے اگر تم سچے ہو تو تمہارے پاس فصیح و بلیغ شعراء بھی موجود ہیں۔ جادو بیان خطباء بھی موجود ہیں پھر ان کی مدد سے تم بھی اس کی مثل بنا کر لاؤ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک اُمّی ہیں جب ایسی کتاب تصنیف کر سکتے ہیں تو دوسرے انسان بھی اس کے جواب میں ایسی کتاب لکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد منکرین کی حالت کے متعلق فرماتا ہے کہ

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ	کیا یہ بغیر کسی چیز یعنی یہ منکرین کسی پیدا کرنے والے کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئے یا یہ خود ہی

پیدا کرنے والے ہیں۔ اس کی تفسیر میں حافظ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ کیا یہ منکرین بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے اور ان کی حالت جمادات کی سی ہے کہ نہ تو ان میں عقل ہے اور نہ سمجھ۔ نہ تو ان کے پاس کوئی حجت ہے اور نہ وہ کسی عبرت ہی سے کام لیتے ہیں اور نہ

ان پر کسی نصیحت ہی کا اثر ہوتا ہے۔ یعنی ان منکرین کی قساوت قلبی
اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان پر کسی سچی اور اچھی بات کا اثر نہیں ہوتا
حالاں کہ اگر وہ خود اپنے وجود پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ خود بخود
نہیں پیدا ہو گئے بلکہ ان کا بھی کوئی خالق ہے جس نے ان کو عدم سے
وجود میں لایا بس وہی خدا حقیقی مالک اور لائق عبادت ہے۔

اس کے بعد منکرین حق کی مجبوری و بے بسی جتانے اور ان کی جہالت
وسفاہت کا یقین دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ

أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝ 52- 36
أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۝ 52- 37
أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۚ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم 52- 38
بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ أَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ۝ أَمْ 52-39
تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمُ 52-40
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ 52-41 52- 42
كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝ أَمْ لَهُمْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ 52-43
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں۔ کیا یہ (منکرین ان خزانوں کے) داروغہ ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (سے آسمانوں کی باتیں) سن لیتے ہیں (اگر بالفرض ایسا ہے) تو ان کے سننے والے کو ایک کھلی ہوئی دلیل پیش کرنا چاہیے۔ کیا اس (خدا) کو بیٹیاں اور تم کو بیٹے ہیں۔ کیا (اے محمدؐ) آپ ان سے (تبلیغ رسالت کی) اجرت طلب کرتے ہیں کہ وہ تاوان (کے بوجھ) سے بوجھل ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی خاص علم غیب ہے کہ وہ (اس کو) لکھ لیتے ہیں۔ کیا وہ مکر کا ارادہ کرتے ہیں۔ پس جو لوگ کافر ہیں وہی مکر کیے گئے (یعنی فریب خوردہ) ہیں۔ کیا خدا کے سوا ان کا کوئی (اور) معبود ہے۔ پاک ہے اللہ اس چیز سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۗ	کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ یقین نہیں کرتے

یعنی ان کے انکار کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے ہیں اس لئے وہ خدا کے اوامر و نواہی کی تعمیل نہیں کرتے کیوں کہ پیدا کرنے والا ہی حقیقی مالک اور امر و نہی کا مجاز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ تو اپنے خالق ہیں اور نہ زمین و آسمان کے۔ بلکہ ان کو خدا کے وعدہ اور وعید دونوں کا یقین نہیں آتا اس لئے وہ اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل نہیں کرتے[1]

جب وہ اس سے عاجز ہیں تو پھر کیا وہ دولت کے نشہ میں چور ہیں اور اسی کے گھمنڈ میں قبول حق سے انکار کرتے ہیں کیوں کہ دولت اکثر کم ظرفوں کو فسق و فجور عیش و عشرت اور لہو و لعب میں مبتلا کر دیتی ہے اور خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ

اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَيۡطِرُوۡنَ ؕ	اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کے پاس کیا آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں جن کی بدولت وہ

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۷ صفحہ ۲۰۔

خدا کی آیتوں سے مستغنی ہو گئے ہیں یا وہ ان خزانوں پر مسلط یعنی داروغہ ہیں؟

منکرین کی قدرت اور دولت دونوں کی نفی کرنے کے بعد ان کی سفاہت اور جہالت کے اظہار کے لئے فرماتا ہے

أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝	کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ فرشتوں کی باتیں سن لیتے اور ان پر

جو وحی الٰہی بھیجی جاتی ہے اس کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس طرح ان کو علم غیب حاصل ہو جاتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خدا کی طرف سے غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ یعنی جب یہ منکرین وحی آسمانی اور کلام ملائکہ سے بے خبر ہیں تو پھر ان کو کیا حق ہے کہ اس وحی کا انکار کریں جو خدا نے اپنے فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور جو اس علم غیب سے عاری ہو اس کا کام ایمان و اطاعت ہے نہ کہ تکذیب و نافرمانی۔

اگر ان سرکشوں کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ بھی آسمانی باتوں سے واقف و باخبر ہیں تو ان میں سے جو شخص آسمان کی باتیں سننے کا مدعی ہے اس کو چاہیئے کہ اپنی صداقت کے ثبوت میں ایک واضح اور قوی دلیل پیش کرے جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کی صداقت کے دلائل پیش کرتے ہیں ورنہ بے دلیل دعویٰ ناقابل قبول ہے۔
اس کے بعد منکرین کی دریدہ دہنی اور گستاخی کے جواب میں فرماتا ہے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ
کیا خدا کو بیٹیاں اور تم کو بیٹے ہیں۔ یعنی جب انہوں نے فرشتوں کو نہیں دیکھا اور نہ ان کی باتیں سنیں اور نہ وہ آسمانی حالات سے باخبر ہیں تو پھر ان کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے لئے بیٹوں پر فخر کرتے اور بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے اور لڑکی پیدا ہونے کے بعد ننگ و عار سمجھ کر اس کو زندہ دفن کر دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی جو بات اپنے لئے موجب ننگ و عار

سمجھتے ہیں وہی بات نہایت ڈھٹائی سے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کو نہ تو کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی وہ لم یلد ولم یولد اور تمام عیوب سے پاک و منزّہ ہے۔

پھر وہ رب العزت اپنے حبیبؐ پاک سے سوالاً فرماتا ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ؕ	کیا آپ ان سے مزدوری طلب کرتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے بوجھل ہیں یعنی کیا یہ

منکرین آپ کی دعوت اس لئے قبول نہیں کرتے کہ آپ ان سے تبلیغ رسالت کا کوئی معاوضہ یا ٹکس طلب کرتے ہیں جس کا بار یہ اٹھا نہیں سکتے اس لئے اس ٹکس سے بچنے کے لئے اس دین حق کو قبول کرنے میں ان کو تامل ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ؕ	کیا ان کے پاس کوئی خاص علم غیب ہے جس کو وہ لکھ

لیتے ہیں اور اسی کے لحاظ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔

قتادہ رحؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اوپر والی آیت نتربص به

ریب المنون" کا جواب ہے یعنی کیا ان کو علم غیب سے یہ معلوم ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے اس دنیا سے رحلت کر جائیں گے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو پھر

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا کیا یہ بھی ان کی ایک چال ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ مکاری کر رہے ہیں۔ اور اگر یہی ہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ پس جو لوگ کافر ہیں وہی فریب خوردہ ہیں کیوں کہ ان کی اس مکاری کا اثر خدا اور اس کے رسول پر کچھ بھی نہیں پڑ سکتا بلکہ حقیقت میں وہی کافر و منکر فریب خوردہ ہیں۔

دیکھو ان سرکشوں کا انجام کیا ہوا یہ جنگ بدر میں مارے گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اور آخر کار خدا کا دین غالب اور باطل مغلوب ہوا۔ اور وہ دین حق یعنی اسلام آج بھی آفتاب سے زیادہ روشن اور اس کی تصدیق کرنے والے کروڑہا غلامان محمدؐ اس وقت تقریباً تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ربنا اننا سمعنا

منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا
فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرارؕ
اس کے بعد منکرین کی نسبت اپنے حبیبؐ پاک سے دریافت فرماتا
ہے:

اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ	کیا خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے جو ان کی حفاظت کرنا۔ رزق

دینا اور ان کی مدد کرتا ہے اور اسی کے خوف سے یہ خدا اور
اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی اطاعت نہیں
کرتے۔ اگر وہ اسی خبط میں مبتلا ہیں تو ان کا یہ خیال سراسر غلط
ہے۔ اس شرک کا نتیجہ خود ان کے حق میں بہت ہی برا ہوگا ۔
اس طرح وہ اپنے آپ کو ابدالآباد کی تباہی میں مبتلا کر دیں گے
اور خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ	پاک ہے اللہ اس چیز سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں۔

وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ

52-44

مَرْكُوْمٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ فِيْهِ 52- 45
يُصْعَقُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا 52- 46
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ 52- 47
ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ 52-48 52-21
رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝ 52-49

اور وہ (منکرین) اگر آسمان سے ایک ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو
کہیں کہ (یہ تو) تہ برتہ ابر ہے۔ پس آپ ان کو چھوڑ دیجیے۔
یہاں تک کہ وہ اپنے اس روز سے ملیں جس میں وہ بے ہوش
کئے جائیں گے جس روز ان کا مکر انہیں کچھ کام نہ دے گا۔ اور
نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ اور بے شک جن لوگوں نے ظلم کیا
ہے ان کے لئے اس کے سوا (اور بھی) عذاب ہے۔ مگر ان میں
سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کا
انتظار کیجیے پس بے شبہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور
جب آپ کھڑے ہوں تو اپنے پروردگار کی پاکی تعریف کے ساتھ

بیان کیجے اور ستاروں کے غایب ہونے کے بعد رات کے کچھ حصہ میں (بھی خدا کی تعریف و تسبیح کیجے)۔

اس خلاق عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو جو نعمتیں بخشی ہیں ان میں "دل و دماغ" ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اگر ان میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان مرتبۂ انسانیت سے گر جاتا بلکہ بعض حالتوں میں حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن حکیم میں بھی منکرین کے دل و دماغ کی حالتوں کو بار بار مختلف پیرایوں اور مختلف انداز سے فرمایا گیا ہے۔

اوپر کی آیتوں میں منکرین سے جو سوالات کئے گئے ہیں وہ سب ایک صحیح دماغ کو دعوت فکر دیتے ہیں مگر ان کی فکریں غلط راستے پر جاتی ہیں اور ان کو جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے اسی لئے بطور تعجب فرمایا کہ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی حکم دیتی ہیں گویا اس طرح ان کی فساد ذہنیت کو بیان فرمایا اب اس کے بعد ان کے دل کی حالت بیان فرماتا ہے کہ ان کی قساوت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ :—

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ

اور وہ (منکرین) اگر آسمان سے ایک ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ (یہ تو) تہ بر تہ ابر ہے۔ یعنی

ان منکرین کی قساوت قلبی اس حد تک پہنچ گئی ہے اور ان کا احساس ایسا فنا ہو گیا ہے کہ بطور عذاب اگر یہ آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرتا ہوا دیکھیں تو بجائے خدا سے ڈرنے کے وہ یہ کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بر تہ ایک ٹکڑا ہے یعنی ایک معمولی بات ہے اس سے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

عقیدے اور عمل کا اثر روح پر پڑتا ہے اور اس کا اندازہ انسان کے قلب کی حالت سے ہوتا ہے ایمان اور عمل صالح کے اثر سے دل میں خدا کا خوف اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی لینت قلبی کے سبب سے ایک انسان دوسرے انسان بلکہ دوسری مخلوق پر بھی رحم کرتا ہے اور خوف خدا اس کو دوسروں کی حق تلفی اور ایذا رسانی سے باز رکھتا اور فرائض کی ادائی کا محرک ہوتا ہے۔ وہ خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق پہچانتا اور ان کو ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔

اس طرح ایک انسان اپنی دنیا و آخرت دونوں درست رکھتا اور ضمیر کی ملامت سے محفوظ رہتا ہے۔ کفر و عصیاں کا اثر بھی روح و قلب دونوں پر پڑتا ہے یعنی کفر و معصیت سے روح گندہ اور دل سخت ہو جاتا ہے اور آخرکار انسان کا ضمیر فنا ہو جاتا ہے۔ اور ضمیر کی موت کے بعد کوئی ہدایت نفع نہیں دے سکتی۔ اس آیت میں منکرین کی اسی حالت کا بیان ہے کہ ان پر عذاب الہٰی بھی نازل ہو تو وہ کفر و معصیت سے توبہ کرنے کی بجائے فضول اور مہمل باتیں کرنے لگیں گے۔ اور جب ان کی سرکشی اور سنگ دلی اس حد تک پہنچ گئی ہے اور ان میں قبول ہدایت کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی تو اب ان کی اصلاح کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اپنے حبیبؐ پاک سے فرماتا ہے کہ

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ	بس اب آپ ان کو چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس روز سے ملیں جس میں وہ

بے ہوش کئے جائیں گے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے

جنگ بدر کا دن مراد ہے جس میں بڑے بڑے سرکش ابوجہل اور اس کے ساتھی مارے گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے یعنی منکرین کو قیامت اور حساب و کتاب سے پہلے جب عالم برزخ میں عذاب دیا جائے گا تو اس وقت ان پر اس کفر و معصیت کی حقیقت کھلے گی کہ ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال بد کا انجام کیا ہوا اور اپنی حیات دنیوی کو انہوں نے کس طرح خود اپنے ہی ہاتھوں برباد کیا۔ مگر اس وقت کی پشیمانی انہیں کچھ کام نہ دے گی۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد عذاب قیامت ہے یعنی منکرین کو انکار و عصیاں کا حقیقی نتیجہ اس وقت معلوم ہو گا جب وہ قیامت کے دن اپنے عقائد و اعمال کی جواب دہی کرتے ہوں گے۔

یہ تینوں باتیں اگرچہ بظاہر ایک دوسرے سے مختلف معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقتاً ان کے وقوع میں اختلاف نہیں ہے کیوں کہ منکرین قریش کو جنگ بدر کے دن جس ذلت و خسران کا منہ دیکھنا پڑا وہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا وہ اپنی دانست میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم نے اپنی قوت سے اسلام کو دبا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

آخر کار مکۂ مکرمہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ آپ اگر ہم مدینۂ منورہ پہنچ کر (نعوذ باللہ) آپ کا خاتمہ کر دیں تو غریب انصار ہمارے مقابلہ میں کیا ٹھیر سکتے ہیں بس ایک ہی حملے میں اسلام کو مٹا کر رکھ دیں گے مگر پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جاسکا اور آخر کار حق سر بلند اور باطل ذلیل و خوار ہوا۔

اس کے بعد اس سے بڑی دوسری ذلت جو ان کو اٹھانی پڑی وہ فتح مکہ تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جرار لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ منکرین قریش اور ان کے معبودانِ باطل دونوں ذلیل و خوار ہوئے نہ معبودوں نے اپنے عابدوں کی حمایت و مدد کی اور نہ ان کی عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی حفاظت کر سکے نتیجہ یہ ہوا کہ سارے بت خانۂ کعبہ سے نیچے گرا دیئے گئے اور ہر ہر بت اپنے پرستش کرنے والوں کے سامنے اوندھا پڑا ہوا گویا اپنی زبان حال سے اپنی داستان عبرت بیان کر رہا تھا کہ :

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہو

اس طرح مسلسل باطل گرتا اور حق اونچا ہوتا گیا۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ مگر جنگ بدر کی فتح اور فتح مکہ ہی پر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگیا بلکہ عذاب قبر اور عذاب قیامت بھی اس کے علاوہ ہیں۔ اس کے بعد اس دن کی مزید صراحت فرماتا ہے کہ ان منکرین کو جس روز موعود کے لئے ڈھیل دی جارہی ہے وہ روز کیسا ہوگا۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ	جس روز ان کا مکر انہیں کچھ کام نہ دے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے وہ مقررہ دن

ایسا ہوگا کہ اس روز ان منکرین کی ساری مکاری اور چال بازی ختم ہوجائے گی۔ کوئی حیلہ و تدبیر ان کو اس بدانجامی سے نہ بچا سکے گی اور نہ ان کا مکر و فریب ہی انہیں کچھ نفع دے گا۔ اور نہ کوئی ان کی مدد ہی کرسکے گا۔ یعنی یہ معبودان باطل جن کی پرستش میں ان منکرین خدا کی ساری عمریں کٹ گئیں یہ اون کے فرضی معبود عذاب الٰہی کے مقابلہ میں کچھ بھی مدد نہ کرسکیں گے حاصل یہ کہ مقررہ دن آکر رہے گا

اور یہ منکرین عذاب میں ضرور مبتلا ہوں گے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ خود ان منکرین کی تباہی و بربادی ہو گا۔ اور اس وقت کی پشیمانی بے سود ہو گی۔ توبہ و انابت کا وقت تو یہی ہے۔ اگر وہ منکرین اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ اور بے شک جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے لئے

اس کے سوا (اور بھی) عذاب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس عذاب سے مراد "یوم بدر" کا قتل ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہفت سالہ قحط ہے اور براء بن عازب کا قول ہے کہ اس سے عذاب قبر مراد ہے۔ علامہ خطیب کہتے ہیں کہ "الاٰیۃ تحتمل ھذہ المعانی کلھا"۔ یعنی یہ آیت ان سب معنیٰ کا احتمال رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی تفسیر میں یہ تینوں معنی ہو سکتے ہیں[1]۔ ان منکرین کی عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں ان کو حق سوجھائی نہیں دیتا وہ ایک خطرناک انجام کی طرف جا رہے ہیں۔

---

[1] تفسیر خطیب شربینی جلد چہارم صفحہ ۹۸۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ کس تباہی

و بربادی کی طرف جا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاندین و مخالفین میں دو قسم کے لوگ تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و دیانت کا دل سے یقین تھا اور اس تکذیب حق اور انکار کے انجام کو وہ کچھ نہ کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ مگر نفس و شیطان نے ان کے دلوں پر ضد و عناد کے پردے ڈال دئے تھے۔ جس کی وجہ وہ خود بھی حق کو قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بہکاتے اور قبول حق سے روکتے تھے۔ مگر کثرت انہیں لوگوں کی تھی جو حقیقت اور اس کے انجام سے بے خبر تھے کہ ایک روز ان پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے۔

منکرین کو ان کا انجام بتا دینے کے بعد اب اپنے حبیبؐ پاک کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ	آپ اپنے پروردگار کے حکم کا انتظار کیجیے۔ یہاں تک کہ وہ عذاب الٰہی

ان پر نازل ہو۔جب عذاب الٰہی نازل ہو گا اس وقت ان معاندین
کو آپ کی صداقت کا یقین ہو جائے گا۔ اگر یہ سمجھانے سے نہیں سمجھتے
اور آپ کے در پۓ آزار ہیں تو یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے کیوں کہ

فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا | بے شبہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں
آپ جس دیانت و صداقت سے ہمارا

پیغامِ حق ان کو پہنچا رہے ہیں اور جس خوبی سے اپنی رسالت
کے فرایض ادا کر رہے ہیں یہ بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ اور اس
کے جواب میں منکرین آپ کے ساتھ جیسا برتاؤ کر رہے ہیں وہ بھی
ہمارے سامنے ہے۔ ہم آپ کی اور آپ کے پیام رسالت یعنی
دین اسلام کی پوری پوری حفاظت کریں گے ۔ ایک روز
باطل ذلیل اور حق بلند و بالا ہو کر رہے گا۔ اس لئے آپ دل گیر
نہ ہوں اگر یہ منکرین آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ ان کو چھوڑ کر
ہماری طرف متوجہ ہو جائیے اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کیجیے۔

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ | اور جب آپ کھڑے ہوں تو

اپنے پروردگار کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کیجے۔ اس آیت میں تسبیح کے ساتھ "حین تقوم" کی قید بھی مذکور ہے۔ اس قید کے متعلق سلف صالحینؒ اور اصحاب تفسیرؒ میں اختلاف ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہر مجلس سے اٹھو تو تسبیح کہا کرو۔ ابو الاحوص اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "اذا قمتَ فقل سُبحانَ اللهِ بحمدہٖ" یعنی جب تم کھڑے ہو تو سبحان اللہ بحمدہ کہا کرو۔ ابن ابی شیبہ۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ حاکم۔ ابن مردویہ ابو بردہ اسلمی سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر زمانہ میں جب جب کسی مجلس سے باہر جانے کا ارادہ فرماتے تو یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبحانك اللّٰھم بحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوبُ الیك"۔ ایک دفعہ اس کے متعلق ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس سے پہلے تو اس طرح نہیں فرمایا کرتے تھے جیسے اب فرمایا کرتے ہیں تو آپ نے اس کو جواب دیا کہ مجلس میں جو باتیں ہوں یہ کلمات ان کا کفارہ ہیں۔ ابو العالیہ سے بھی یہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو یہ پڑھا کرتے "سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفر اللّٰه واتوب اليك۔" فقيل يا رسول اللّٰه ما هٰؤلاء الكلمات التى تقولهنّ قال هنّ كلمات عَلَّمنيهُنّ جبرئيلؑ كفارات لما يكون فى المجلس[1]۔ یعنی ابو العالیہ کی اس روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ان کلمات کی حضرت جبرئیلؑ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی اور یہ کلمات کفارہ ہیں ان باتوں کا جو مجلس میں ہوئیں۔

حِيْنَ تَقُوْمُ کے دوسرے معنی

ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو "سبحانك اللّٰهم بحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك" پڑھا کرو۔ سعید بن مصیبؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس وقت ان کلمات یعنی ثناء کو پڑھا کرو۔

[1] تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۲۰۔

حِیْنَ تَقُوْمُ کے تیسرے معنیٰ

ابن مردویہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ "حین تقوم من فراشك الی ان تدخل فی الصلوٰۃ" یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کے لئے جب تم بستر سے اُٹھو تو یہ تسبیح کہا کرو۔

ان تینوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صرف نماز میں تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ مگر بعد میں آپؐ ہر مجلس بلکہ بستر سے اُٹھتے وقت بھی تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا کہ یہ کفارہ مجلس ہے اور بعض روایتوں میں یہ صراحت ہے کہ یہ تسبیح لَغَطِ مجلس کا کفارہ ہے اور لغط کے معنی شور و پکار کے ہیں۔

تسبیح کے لفظی معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ کسی کی تسبیح و تحمید کا محتاج نہیں البتہ پاکی بیان کرنے والے یا تو عوام ہوں گے یا خواص۔ اگر وہ عوام اور گناہ گار ہیں تو تسبیح سے اون کی روحیں گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوں گی۔ اور اگر خواص ہیں تو ان کی روحوں کا اشراق و نورانیت زیادہ ہوگی جس کے آثار

ان کے چہروں سے بھی ظاہر ہونے لگیں گے۔ ہر مجلس سے اُٹھتے ہوئے
کفارۂ مجلس کی تسبیح کی تعلیم اس لئے دی گئی ہے کہ جب چند مسلمان
ایک جا جمع ہوں گے اور آپس میں مختلف قسم کی گفتگو ہوگی تو ان باتوں
کے انہماک سے ایک قسم کی غفلت ہوگی جس کے اثر کو دور کرنے
کے لئے بطور کفارہ تسبیح کی تعلیم دی گئی ہے۔
مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی معصیت اور ایسی
غفلت سے ہر طرح پاک و منزہ ہیں اس لئے سرکارؐ کی تسبیح کو اپنی
تسبیح پر مت قیاس کرو بلکہ یہ سمجھو کہ آپؐ چوں کہ خلق کی ہدایت
کے لئے بھیجے گئے ہیں اس لئے خلق کی دعوت و تعلیم آپ کے فرائض
نبوت میں داخل ہیں۔ اس لئے آپ کو اپنے فرض منصبی کی ادائی
کے لئے بحکم خدا خلق کی طرف توجہ کرنا بھی ضروری تھا اور اس توجہ
کے وقت بھی آپ اگرچہ آپ کو خدا کی طرف سے کوئی غفلت نہیں
طاری ہوتی مگر آپ کی اس حالت سے آپ کی وہ حالت جس میں
آپ صرف خدا ہی کی طرف متوجہ رہتے تھے ہر طرح افضل و اولیٰ ہے
لہذا آپؐ اس ترک اَولویت کا اثر اپنی روح انور پر محسوس فرماتے تو

اس کے دور کرنے کے لئے تسبیح کہا کرتے۔ اس مثال کو پیش نظر رکھو
کہ کپڑا جتنا زیادہ سفید ہوگا اسی لحاظ سے اس پر ذرا سے گرد و غبار
کا اثر بھی محسوس ہوگا۔ دیکھو جب کوئی چیز نہایت صاف اور اعلیٰ
درجے کا صیقل کی ہوئی ہو تو اس کو خواہ کتنے ہی پاک و صاف ہاتھوں
سے مس کیا جائے اس پر ایک ہلکا سا اثر محسوس ہوگا۔ پس حضورؐ
انور کے ہر مجلس سے برخاست فرمانے کے وقت تسبیح پڑھنے کا مقصد
اسی عارضی غبار کو دور کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ اور آپ کے غلامان خاص
جب تسبیح پڑھتے ہیں تو ان کی تسبیح کا مقصد اشراق و نورانیت کی
زیادتی ہوتا ہے۔ اور ہم گناہ گار معصیت کی آلودگی سے پاک ہونے
کے لئے تسبیح پڑھا کرتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیبؐ پاک سے ارشاد مبارک ہوتا ہے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ	اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد رات کے کچھ حصے میں بھی خدا کی تعریف و

تسبیح کیجئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دو رکعت

نماز صبح سے پہلے پڑھیں۔ حافظ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد فجر کے دو رکعت ہیں۔ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز صبح ہے۔ حافظ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہی قول زیادہ درست ہے۔ اور "حین تقوم" سے مراد قیلولہ کی نیند سے اٹھنا ہے کیوں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز صبح میں سبحانک اللّٰھم پڑھنا واجب نہیں ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب یہ حکم دیا کہ "وسبح بحمد ربک حین تقوم بالتسبیح بعد ادبار النجوم" یعنی ستاروں کے غائب ہونے کے بعد بھی آپ پاکی بیان کیجئے تو اس حکم سے فجر کے دو رکعت نماز مراد ہوئی جس کو عموماً لوگ رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہاں نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنے کے بعد بھی کوئی فرض نماز ہے اور وہ فرض نماز سوائے ظہر کے اور کون سی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم (یعنی حافظ ابن جریر) نے قیلولہ سے بیدار ہونا مراد لیا ہے۔

ادبار النجوم کی تفسیر میں حافظ ابن جریر نے دو روایتیں لکھی ہیں۔ایک روایت عطا کی ہے کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں" ادبار النجوم سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعت ہیں"۔ اور دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ادبار النجوم کی تسبیح سے مراد صبح کی فرض نماز ہے۔ ضحاکؒ اور ابن زید کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد فجر کی نماز ہے حافظ ابن جریر لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں وہی قول اولیٰ ہے جس میں فجر کی فرض نماز مراد لی گئی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب اٹھو تو خدا کی تسبیح۔ اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد بھی اور وہ دو رکعت نماز جو فجر سے پہلے پڑھی جاتی ہے واجب نہیں ہے اور ایسی کوئی دلیل بھی نہیں قایم ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ فسبحہ کا حکم ندب کے لئے ہے۔اور ہم (یعنی ابن جریر) کئی جگہ ثابت کر چکے ہیں کہ حکم عموماً فرض کا افادہ کرتا ہے۔

حافظ ابن جریر کی اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حین تقوم سے مراد یہ ہے کہ جب آپ قیلولہ کی نیند سے بیدار ہوں تو ظہر کے فرض

پڑھیں کیوں کہ "سبّح" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا فائدہ دیتا ہے اس لئے تسبیح سے یہاں ثناء یا نماز سنت مراد لینا درست نہیں لہذا اس تسبیح سے ظہر کے فرض مراد ہیں اس لئے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد دو ہی فرض نمازیں پڑھی جاتی ہیں :-

(۱) رات کی نیند سے جاگنے کے بعد صبح کے فرض جو ادبار النجوم کی تسبیح سے ظاہر ہوتے ہیں ۔

(۲) قیلولہ کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد ظہر کے فرض ۔ لہذا

اس آیت سے امام طبری نے ظہر و فجر دو وقت کی فرض نمازیں مراد لی ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ :-

تم اپنے پروردگار کی فرض نمازوں کو اخلاص کے ساتھ ادا کرو اور صبح و شام اپنے اس مالک کے ذکر سے غافل نہ رہو جو کبھی اپنے انعام سے غافل نہیں ہوتا ۔ اور ہر وقت تمہاری حفاظت فرماتا ہے ۔

اَلحمدُ لِلّٰہ

کہ سُورۂ طُور کی تفسیر ختم ہوئی اور اسی پر ساتویں جلد بھی ختم ہو رہی ہے۔

اَب تفسیرِ قادری کی آٹھویں جلد سُورۂ نجم کی تفسیر سے شروع ہوگی انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان

الارادۃ منّی والاتمام من اللہ۔